ماھنامہ

خضرِ راہ

Dec. 2013

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی
تسکین کا سامان
ماھنامہ خضر راہ

آسان زبان میں اسلامی افکار
وخیالات کا انمول خزانہ
ماھنامہ خضر راہ

سفر وحضر کا بہترین ساتھی
ماھنامہ خضر راہ

سوسائٹی کو سیرت نبوی میں ڈھالنے
کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں
ماھنامہ خضر راہ

صدقہ نافلہ سب کے لیے جائز

پیغام آفاقی ہو اور زبان مادری

زیر سرپرستی داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

جلد 1

شمارہ 12

دسمبر ۲۰۱۳ء

صفر ۱۴۳۵ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : شوکت علی سعیدی

مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن

معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی

معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

مولانا حسن سعید صفوی

نگراں اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری

سرکولیشن منیجر : اشتیاق احمد عارفی

کمپوزر : رکن الدین سعیدی

تزئین کار : تنویر احمد

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ : Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263

قیمت فی شمارہ	₹ 20 :
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	₹ 40 :
قیمت سالانہ	₹ 200 :
لائبریری اور سرکاری ادارے	₹ 500 :
بیرون ممالک	$ 40 :
اعزازی ممبر شپ	₹ 5000 :

ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ

KHIZR-E-RAH (MONTHLY)

JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7860604036

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضر راہ

نعت ہی نعت:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۳	عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴
اداریہ:	جہاں گیر حسن مصباحی	۵	دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۸
ضیائے حدیث:	اصغر علی مصباحی	۱۲	شرعی مسائل:	اصغر علی مصباحی	۱۶
شہ پارۂ اسلاف.:	خواجہ امیر حسن دہلوی	۲۰	اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۲۳

علم و عرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
حدیث موضوع کی طرف اشارہ...	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۶
شفاعت کے مختلف پہلو	ضیاء الرحمٰن علیمی	۳۳
توبہ واستغفار: قرب الٰہی کا ذریعہ	جہاں گیر حسن مصباحی	۳۶
صبر کی حقیقت	امام الدین سعیدی	۴۰
چھ انمول رتن	سید قمر الاسلام	۴۳
ایمان اور عمل صالح کے بغیر کامیابی ممکن نہیں	اختر تابش	۴۶
خواتین کے لیے چند رہنما اصول	ام حبیبہ	۵۰
نماز باجماعت کے فضائل	انجم راہی	۵۳
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت	غلام مرتضیٰ	۵۷
آپ کے SMS	قارئین کرام	۵۹
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱

نعت ہی نعت

قبلہ وکعبۂ ایمان رسول عربی

قبلہ و کعبۂ ایمان رسول عربی
مصحفِ روئے تو قرآن رسول عربی

دین و ایمان و دل و جان رسول عربی
آپ کے نام پہ قربان رسول عربی

آپ کی شان ہے وہ شان رسول عربی
جس پہ دونوں جہاں قربان رسول عربی

بس یہی ایک ہے ارمان رسول عربی
میرے گھر آپ ہوں مہمان رسول عربی

آپ کے شوق میں حیران رسول عربی
سعیدؔ بے سر و سامان رسول عربی

کوئی خلیل ہے یہاں کوئی کلیم ہے

ایسا نزول جلوۂ نور قدیم ہے
کچھ بھی خبر نہیں ہے کہاں دل مقیم ہے

صحن حرم میں شیخ عبث کیوں مقیم ہے
کوئے مغاں میں آ یہ رہ مستقیم ہے

یہ میکدہ ہے شیخ قبا پوش با ادب
کوئی خلیل ہے یہاں کوئی کلیم ہے

کرتا ہوں ورد مصحف ناطق کی آیتیں
لیکن سبق ہنوز الف لام میم ہے

اس مدرسہ میں درس کے طالب ہیں ہم سعیدؔ
جس مدرسہ میں علم حجاب عظیم ہے

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

صدقہ نافلہ سب کے لیے جائز ہے

یکم اکتوبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۵/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ بروز منگل محب مکرم مولانا جہاں گیر حسن مصباحی کے والد مرحوم کے ایصال ثواب کے موقع پر مرشدی حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا کے سامنے جلیبی لائی گئی، جامعہ عارفیہ کی ساتویں جماعت (اولیٰ) کے تقریباً چالیس طلبا انجمن بنائے ہوئے سرکار کے سہ جانب بیٹھے تھے، سرکار نے طلبا کی جانب مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: بچو! جلیبی کھائی یا نہیں؟ بتاؤ کہ پہلے کھالے اور بعد میں فاتحہ پڑھے تو کیا کوئی حرج ہے؟

ایک طالب علم نے عرض کیا: حضور! کوئی حرج نہیں ہے۔

سرکار نے فرمایا: شاباش، دونوں دو فعل ہیں، کھلانے کا ثواب الگ اور قرآن کی تلاوت کا ثواب الگ۔ شیرینی کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا مباح ہے، واجب نہیں۔ فاتحہ کا سامان خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ، امیر ہو یا غریب، سادات ہوں یا غیر سادات سب کے لیے جائز ہے، یہ صدقہ نافلہ میں آتا ہے اور صدقہ نافلہ سادات کرام کے لیے بھی بلا کراہت جائز ہے۔

(ترتیب: مجیب الرحمٰن علیمی)

٭٭٭

جہاں گیر حسن مصباحی

پیغام آفاقی ہو اور زبان مادری

جس پیغام میں نفرت نہ ہو، بلکہ محبت ہی محبت ہو اور جو مذہب وملت میں فرق کیے بغیر سب کی بھلائی کا طالب ہو وہ پیغام آفاقی ہے اور جو زبان اپنی سادگی اور آسانی کے باعث ہر کسی کی سمجھ میں آجائے وہ عوامی اور مادری زبان ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن کریم کا خاصہ ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو پیغام دیا ہے وہ آفاقی ہے یا نہیں؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام بنیادی طور پر عقیدۂ توحید وآخرت پر زور دیتا ہے، جس میں نہ تو نفرت کی گنجائش ہے اور نہ یہ کسی ایک جماعت کے لیے خاص ہے، بلکہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہے، خواہ وہ کسی فرد، قوم، قبیلہ یا کسی ملک وملت سے تعلق رکھتا ہو۔

چنانچہ سورۂ اخلاص میں عقیدۂ توحید کا پیغام یوں دیا گیا کہ:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ③ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

آپ فرما دیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، نہ اس کا کوئی باپ اور نہ ہی کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اور سورۂ یٰس میں عقیدۂ آخرت کا پیغام یوں دیا گیا کہ:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيۡمٌ ۷۸ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۷۹

ترجمہ: ہم سے کہاوت بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا: کون بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ آپ فرما دیں کہ اسے وہی ذات زندہ کرے گی جس نے اُنھیں پہلی بار پیدا فرمایا۔

لیکن یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تمام آسمانی کتابوں، فرشتوں اور پیغمبروں کے برحق ہونے پر ایمان لائے بغیر نہ تو عقیدۂ توحید کچھ فائدہ دے گا اور نہ ہی عقیدۂ آخرت۔

پھر اس پیغام کو اور بھی آفاقی بنانے اور اُسے عوام الناس تک پہنچانے کے لیے آسان زبان وبیان کے ساتھ علاقائی زبانوں کو اہمیت بھی دی گئی، ورنہ کیا وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو مختلف علاقائی زبانوں میں نازل فرمایا، جیسے: توریت کی زبان الگ تھی، زبور کی زبان الگ تھی، انجیل کی زبان الگ تھی اور خود قرآن کریم کی زبان سب سے الگ تھلگ تھی اور جب سب کا پیغام ایک ہی تھا کہ: ایک اللہ کو معبود مانا جائے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، اس کے رسولوں پر ایمان لایا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

پھر مختلف زبانوں میں کلام الٰہی نازل کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۝۴ (ابراہیم)

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا، تا کہ وہ انھیں واضح طور پر (دین) بتائے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ كَذٰلِكَ أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ بِقَدْرِ عُقُولِهِمْ ۔ (من حدیث خیثمۃ بن سلیمان، ج:۱،ص:۷۵)

ترجمہ: ہم انبیا کی جماعت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں۔

یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے بھی علمی اور ادبی زبان پر قدرت رکھنے کے باوجود علاقائی اور عام فہم مادری زبان کو وسیلہ بنایا اور اس کے ذریعے اپنی بات لوگوں تک پہنچائی۔ ثبوت کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ خود ہندوستان کے عظیم صوفیوں کی دعوتی اور عملی خدمات اِس بات کی روشن اور واضح دلیل ہیں۔ اس تعلق سے سلطان الہند خواجہ غریب نواز، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیا قدست اللہ اسرارہم کی حیات طیبہ خاص طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دین کا پیغام نہ صرف عام مسلمانوں تک پہنچا، بلکہ بہت سے غیر مسلم جو قرآن کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے، یا جو دین کے بارے میں غلط فہمی کے شکار تھے، ان تک دین پہنچانا اور انھیں دین سمجھانا آسان ہو گیا، نیز ان کے ذہن میں جو غلط فہمی کی گرد جمی ہوئی تھی اُسے دور کرنے کا سنہرا موقع مل گیا۔

ان تمام حقیقتوں کو جان لینے کے بعد یہ بات ذہن میں ابھرتی ہے کہ آج بھی ہم محنت ومشقت کے ساتھ اپنا دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں، بڑی مہارت و ہنرمندی سے اپنا پیغام عوام تک پہنچا رہے ہیں اور کافی تلاش و تحقیق کے بعد اپنی تحریریں تیار کر رہے ہیں، اس کے باوجود ہم دنیا پر اپنا اثر چھوڑنے اور اپنے پیغام کو گھر گھر پہنچانے میں ناکام ہیں، کیوں؟

میرے خیال میں اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم صرف اپنا پیغام پہنچانے میں یقین رکھتے ہیں اور اسی کو کافی جان لیتے ہیں جب کہ اُسے آفاقی کیسے بنایا جائے اور عوام میں اُسے مقبول بنانے کے لیے کون سا لہجہ اور کیسی زبان استعمال کی جائے اس پر غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک دوکان دار کے پاس سامان خریدنے کے لیے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، جس میں پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں اور اَن پڑھ بھی، امیر بھی ہوتے ہیں اور غریب بھی، گاؤں والے بھی ہوتے ہیں اور شہری بھی۔ اب اگر دوکان دار اِن تمام قسم کے لوگوں کی ضرورت اور مزاج کے مطابق سامان نہیں رکھتا، یا اگر سامان لین دین کرتے وقت وہ تمام لوگوں کا

خیال نہیں رکھتا، تو نہ تو اس کی دکان صحیح ڈھنگ سے چل پائے گی اور نہ ہی وہ اپنے مقصد یعنی منافع کمانے میں کامیاب ہو پائے گا، کیوں کہ ایک دکان دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دکان پر آنے والے ہر گراہک کے مزاج کا خیال رکھنے کے ساتھ، ان کے ذہن میں اپنے سامان کی خصوصیات (Quality) کی دھاک بٹھائے، تا کہ وہ خریدنے پر مجبور ہو۔

اسی طرح ہمیں چاہیے کہ عوام اور اپنے مخاطب کے مزاج کو سمجھیں، اپنے پیغام کی انفرادیت کو ان پر واضح کریں اور اس کے آفاقی پہلو کو سامنے رکھیں کہ اپنے پیغام میں کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے نفرت پھیلے اور کوئی ایسا لب ولہجہ اختیار نہ کریں جس کے سبب لوگ حق سے قریب ہونے کے بجائے دور ہوں۔

بالخصوص آج کے ترقی یافتہ زمانے میں جب کہ ہر طرف نئی نئی ٹکنالوجی استعمال کی جارہی ہے، تو ایسے عالم میں اپنے پیغام کو اور بھی آفاقی بنانے کی ضرورت ہے، وہ اس طور پر کہ جہاں لاؤڈ اسپیکر، ویڈیو ریکارڈنگ، رپورٹنگ وغیرہ ہو رہی ہو وہاں پر ایسی بات کی جائے جو مسلم اور غیر مسلم سب کے حق میں مفید ہو، مثلاً: ایسے موقعوں پر اختلافی اور جزوی باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے عقیدۂ توحید و رسالت، اخلاقیات، اسوۂ حسنہ اور بشارتی پہلو سے گفتگو ہو تو اس کا نتیجہ بہتر سے بہتر نکل سکتا ہے اور ایسے ماحول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے کہ:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (ابوداود، باب فی کراہیۃ المرء)

ترجمہ: بشارت دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔

چنانچہ اگر حقیقت میں ہم بھی اپنے پیغام کو آفاقی رنگ دینا چاہتے ہیں، تو ہمیں ہر حال میں تعصب ونفرت والی باتوں سے پرہیز کرنا ہوگا اور قرآن کریم کی طرح پوری انسانی برادری کو سامنے رکھ کر گفتگو کرنا ہوگا، نیز اگر ہم اپنے پیغام کو عوام میں مقبول بنانا چاہتے ہیں تو منطقی انداز اور فلسفیانہ طرز کے بجائے قرآن کریم کی طرح علاقائی بولی اور عوام میں سمجھی جانے والی آسان زبان کو بہر صورت تحریر و تقریر میں اپنانا ہوگا، تبھی ہمارا مقصد پورا ہوگا اور ہم اپنے پیغام کو آفاقی رنگ دے کر زیادہ سے زیادہ عوام الناس تک پہنچا سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

یہی وہ اہم وجہ رہی کہ ''خضر راہ'' وجود میں آیا۔ جس کا مقصد ہی یہی ہے کہ آسان انداز اور مادری زبان میں عقیدۂ توحید و رسالت کی تعلیمات، اخلاقیات اور اسلامی احکامات لوگوں تک پہنچائے جائیں، تاکہ بخوبی دین کی خدمت ہو۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس تعلق سے رسالے کو ہر ممکن کامیابی، ہر دل عزیزی اور مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، جس کے گواہ قارئین کے وہ تبصرے ہیں جو ہمارے پاس ہر ماہ پہنچتے ہیں اور تاثراتی صفحات کی زینت بنتے ہیں۔

***

کج بحثی کے عادی قرآنی ہدایت سے ہمیشہ محروم رہیں گے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ وَ اَمَّا
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا وَ مَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِیۡنَ
یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿٢٧﴾
کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿٢٨﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی
الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿٢٩﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال بیان کرنے میں حیا نہیں فرماتا۔ جو اہل ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے لیکن جو منکرین ہیں وہ سوال کرتے ہیں کہ بھلا اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا منشا کیا ہے؟ اس سے اللہ بہتوں کو گمرہی میں ڈالتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے گمرہی میں صرف انھیں لوگوں کو ڈالتا ہے جو فاسق ہیں، جو اللہ سے عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے توڑتے ہیں اور اس رشتے کو کاٹتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ وہی درحقیقت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ بھلا تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو، جب کہ تم بے جان تھے، پھر اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر تمھیں موت دے گا، پھر تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر اسی کی بارگاہ میں تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ اسی کی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں۔ پھر آسمان کا قصد فرمایا اور اس کے سات طبق مکمل فرمائے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

دعوت کی تاریخ میں یہ ہمیشہ ہوا ہے کہ جب داعی نے اپنی بات علمی دلائل سے پیش کی تو مدعو اقوام میں جنھوں نے اخلاص اور غیر جانب داریت کے ساتھ داعی کے دلائل میں غور کیا، ان پر دعوت کی صداقت واضح ہوئی اور وہ ایمان لے آئے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی ہوا کہ جو لوگ داعی کے ساتھ کسی طرح کا عناد و تعصب رکھتے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ داعی کے دلائل کو دلائل کے ساتھ رد نہیں کیا جا سکتا اور ان دلائل کو تسلیم کرنے کی صورت میں داعی کی بات تسلیم کرنی پڑے گی تو ایسے متعصبین نے وہ رویہ اختیار کیا جسے کج بحثی یا خلط مبحث کہتے ہیں۔ خلط مبحث یہ ہے کہ مقابل کے دلائل کا جواب نہ دے کر ایک نئی بحث کا دروازہ کھولا جائے اور اصل مدعا سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی جائے۔ خلط مبحث کی ایک مثال حضرت ابراہیم اور نمرود کا وہ واقعہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کا یہ وصف بیان کیا کہ میرا

رب زندگی اور موت دیتا ہے تو اس نے دو قیدیوں کو بلوایا، ان میں سے ایک کو قتل کرا دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ نمرود کا یہ عمل خلط مبحث تھا، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فلسفۂ موت وحیات پیش کیا تھا، نمرود نے اس کا جواب نہ دے کر ایک قیدی کو قتل کر کے اور دوسرے کو چھوڑ کر ایک نئی بحث کا آغاز کیا۔ اس نے یہ ایک غلط تاثر دینے کی کوشش کی کہ ایک شخص کو قتل کرنا اور دوسرے کو قتل نہ کرنا یہی چیز زندگی اور موت دینا ہے۔

قرآن نے توحید، رسالت اور آخرت پر جب نہایت علمی انداز میں اپنی بات رکھی اور منکرین کو یہ چیلنج کیا کہ اگر انھیں قرآن کی صداقت میں کوئی شک ہو تو اس کی مثال پیش کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو جہنم میں جلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس چیلنج کا سیدھا جواب تو یہ تھا کہ وہ اسلام کی صداقت تسلیم کرتے ہوئے ایمان لے آتے، یا قرآن جیسی کوئی کتاب، کوئی سورہ یا کوئی آیت پیش کرتے؛ کیوں کہ پوری دنیا میں فصاحت وبلاغت اور زبان دانی کا انھیں غرہ بھی تھا، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک دوسری بحث کا آغاز کیا۔ انھوں نے یہ سوال اٹھانا شروع کیا کہ قرآن اگر کتاب ہدایت ہے تو اس میں چیونٹی، شہد کی مکھی اور اس طرح کی دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں کیوں ہیں؟

مثال یا کہاوت اپنے مدعا کو واضح کرنے کے لیے اور قاری کے ذہن ودماغ میں بات کو بٹھانے کے لیے پیش کی جاتی ہے، اس لیے اولاً مثال پیش کرنا کوئی غلط عمل نہیں ہے بلکہ اس سے کلام کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور تفہیم میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مثال دینے کا صرف ایک اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی مثال دی جائے جس سے بات زیادہ سے زیادہ واضح اور قابل فہم ہو، قطع نظر اس سے کہ مثال میں پیش کی جانے والی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، پہاڑ ہو کہ گلہری، اونٹ ہو کہ چیونٹی، اس لیے قرآن نے جو چیلنج کیا تھا اس کا جواب نہ دے کر قرآن پر اس طرح کے اعتراضات کرنا کہ مثال میں مچھر اور مکھی جیسی چیزوں کا بیان کیوں ہے؟ منکرین کا خلط مبحث کرتے ہوئے اپنی گمرہی اور ضلالت میں اضافہ کرنا ہے۔

قرآن نے بتایا ہے کہ اس کی ہدایت بھری باتوں سے صرف فاسق ہی مزید گمرہی کا شکار ہوتے ہیں۔ فاسق، فسق سے بنا ہے اور فسق کے معنی اعتدال سے ہٹنے کے ہیں۔ الفسق الخروج عن القصد. (الکشاف، زیر آیت مذکورہ)

ظاہر ہے جن کا مزاج خلاف فطرت اور اعتدال سے منحرف ہے، ان کے سامنے خواہ جتنی اچھی بات رکھیں وہ بے سود ہی رہے گی۔ شریعت کی اصطلاح میں فاسق، نافرمان بندے کو کہتے ہیں۔ قرآن نے بار بار کہا ہے کہ اللہ فاسق و نافرمان بندوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (مائدہ: ۱۰۸، توبہ: ۲۴-۸۰، صف: ۵، منافقون: ۶) اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور کج روی میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ وہ ہر بات کو، خواہ وہ کتنی ہی سیدھی اور درست کیوں نہ ہو، رد کر دیتے ہیں۔ وہ داعی کی بات کو نہیں سنتے، اس کی ذات کا مذاق اڑانا اپنی کامیابی

تصور کرتے ہیں۔

مذکورہ آیات میں فاسقوں کے بارے میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ وہ اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو توڑتے ہیں۔ اللہ سے کیا ہوا وعدہ کیا ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ عالم ارواح میں اللہ نے اپنے تمام بندوں سے اپنے رب ہونے کا عہد لیا تھا۔ اللہ نے فرمایا تھا: الست بربکم ؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس پر سب نے کہا تھا: بلیٰ جی، ہاں! کیوں نہیں! (اعراف:۱۷۲)

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن ارواح نے پوری بصیرت کے ساتھ بلیٰ کہا تھا جب وہ دنیا میں آئیں اور ان کے سامنے پیغمبروں نے اللہ رب العزت کے بارے میں بتایا تو وہ روحیں فوراً ایمان لے آئیں، اس کے برخلاف جنھوں نے بغیر سمجھے بوجھے یوں ہی بلیٰ کہہ دیا تھا وہ اللہ کا پیغام سننے کے بعد بھی اس پر ایمان نہیں لائیں، کیوں کہ جو عالم ارواح میں بے بصیرت تھے وہ عالم اجسام میں بھی بے بصیرت رہے اور جو اس دنیا میں اندھے ہیں وہ آخرت میں بھی اندھے رہیں گے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے ان آیات سے ایک طریقت کا مسئلہ مستنبط کیا ہے، فرماتے ہیں:

''اس میں اس سالک کے احوال کی طرف اشارہ ہے جو طریقت کی راہ میں قدم رکھتا ہے، پھر عام لوگوں کی حالت پر لوٹ جاتا ہے، وہ ترک خودی کی بات کرتا ہے لیکن جب عزم مصمم کا وقت آتا ہے تو وہ اپنی بات سے پھر جاتا ہے اور طریقت کی عزیمت کو ترک کر کے شریعت کی رخصت کو اختیار کر لیتا ہے۔'' (تفسیر قشیری معروف بہ لطائف الاشارات، ص:۳۱، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۷)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''جب بندۂ صالح اللہ اور اپنے بیچ کے عہد کو محکم کر لے تو اس پر واجب ہے کہ شریعت کا اتنا علم حاصل کرے جس سے وہ فرائض ادا کر سکے، یہ تحصیل علم خواہ اس کے اپنے مطالعہ وتحقیق سے ہو، خواہ علما سے دریافت کرنے سے ہو، اور اگر کسی مسئلے میں فقہا کے اقوال مختلف ہوں تو ان میں اس قول کو لے جس میں سب سے زیادہ احتیاط ہو اور ہمیشہ اختلافات علما سے بچ نکلنے کی کوشش کرے، کیوں کہ شرعی رخصتیں؛ کمزوروں، ضرورت مندوں اور کاردنیا میں مصروف لوگوں کے لیے ہیں اور جو مریدین صادقین ہیں ان کا کام سوائے حقوق اللہ کی ادائیگی کے کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فقیر اگر درجۂ حقیقت سے اتر کر رخصت شریعت پر پہنچ گیا تو گویا اللہ کے ساتھ جو اس کا عقد تھا وہ ٹوٹ گیا اور اللہ اور اس کے بیچ کا جو رشتہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۳۸۰)

سچ ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

یعنی عام صالحین کی نیکیاں مقرب بندوں کے لیے گناہ کے درجے میں ہوتی ہیں۔

منکرین کو مزید دعوت فکر دیتے ہوئے قرآن بڑے پرجوش لہجے میں کہتا ہے:

''بھلا تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو، جب کہ تم بے جان تھے، پھر اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر تمھیں موت دے گا، پھر تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اسی کی بارگاہ میں تم سب پیش کیے جاؤ گے۔'' (بقرہ:۲۸)

پھر قرآن نے آسمان و زمین کی تخلیق کی طرف منکرین کو متوجہ کیا اور ان کے خالق کے بارے میں بتایا:

اسی کی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں، پھر آسمان کا قصد فرمایا اور اس کے سات طبق مکمل فرمائے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (بقرہ:۲۹)

سات آسمانوں کی تخلیق ہماری خصوصی توجہ کی طالب ہے۔ اس تعلق سے قدیم وجدید مختلف مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ اس وقت ہمارے لیے زیادہ قابل فہم بات وہ ہے جسے معاصر عالم دین مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے قرآن کی سائنسی تفسیر کے حوالے سے اپنے ایک علمی مقالے میں لکھا ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

''قرآن کریم میں سبع سمٰوات (سات آسمان) کا متعدد مقامات پر تذکرہ آیا ہے، قرآن کریم میں وارد اس لفظ کی بھی مختلف فلکیاتی اور سائنسی تفسیریں کی گئی ہیں، مگر کوئی تفسیر ایسی نہیں ہے جو اعتراض سے خالی ہو۔ قدیم وجدید علمائے ہیئت وفلکیات نے اس لفظ کا کوئی مناسب مدلول تلاش کرنے کی ہر چند کوششیں کی ہیں مگر اس کی کوئی توجیہ ایسی نہیں ہے جو عربی قواعد، عربی لغت اور سائنسی تحقیقات، سب کے مطابق ہو۔ ایسی صورت میں علمائے راسخین نے یہی فرمایا ہے کہ سبع سمٰوات کے وجود پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی صحیح کیفیت ہمیں نہیں معلوم، ابھی انفس وآفاق کے سلسلے میں انسان کا علم ارتقا پذیر ہے۔ ممکن ہے ۵۰ یا ۱۰۰ ؍سال یا اس کے بعد جب انسان کائنات کے کچھ اور رازوں سے پردہ اٹھالے اور آسمانی دنیا کے دیگر پوشیدہ حقائق اجاگر ہوں تو شاید اس لفظ کے حقیقی مدلول تک ذہن انسانی کی رسائی ہوجائے۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیں: قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ، ص: ۵۰ تا ۵۷، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، ۲۰۰۸ء)

٭٭٭

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام اللہ ظلہ علینا

کی قلبی واردات، گنجینۂ معانی، بحر حقائق ومعارف، مثنوی

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار

کا تیسرا ایڈیشن اپنے نئے رنگ وآہنگ اور ضروری توضیحی حواشی کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔

شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الٰہ آباد) 212213 (یوپی)

Mobile: 07860604036

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی

والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان کی نافرمانی سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ۔

ترجمہ: وہ دونوں (ماں باپ) تمہاری جنت بھی ہیں اور جہنم بھی۔

یعنی اگر تم نے ان کی خدمت کی اور انھیں خوش رکھا، تو وہ تمہارے لیے جنت میں جانے کا سبب ہیں اور اگر ان کی نافرمانی کی اور ان کی باتوں کو ٹھکرادیا تو وہ تمہارے لیے جہنم میں بھی جانے کا سبب ہیں، اس لیے والدین کی اہمیت اور ان کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

ذیل میں ہم ان کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کے حوالے سے چند منتخب احادیث پیش کر رہے ہیں:

حضرت معاویہ بن جاہمیہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہو اور آخرت میں کامیابی ملے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! کیا تمہاری والدہ باحیات ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ اور ماں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرو۔ پھر میں دوسری طرف سے آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہو اور آخرت میں کامیابی ملے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! کیا تمہاری ماں باحیات ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ اور ماں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرو۔

پھر میں آپ کے سامنے سے آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں، تاکہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہو اور آخرت میں کامیابی ملے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! کیا تمہاری ماں باحیات ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ اور ماں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرو۔ (سنن ابن ماجہ، باب برالوالدین)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینا یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی لٹا دینا بہت بڑی بات ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم عمل پر بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کو مقدم رکھا ہے، اس لیے ہمیں بھی ماں کی اہمیت سمجھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کو ہر چیز پر مقدم کرنے کی ضرورت ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک ہمیشہ رضائے مولیٰ کی طلب اور آخرت میں کامیابی کی فکر رہتی تھی۔ اس سے ہمیں بھی سبق لینے کی ضرورت ہے، کیوں آج ہمارے دل و دماغ سے آخرت کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک صحابی نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: أُمَّكَ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّكَ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّكَ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَبَ۔ (ترمذی، برالوالدین)

ترجمہ: ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون شخص میرے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، میں نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ میں نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ پھر میں نے عرض کیا: پھر کون؟

آپ نے فرمایا: تمہارے والد۔ پھر جو سب سے زیادہ قریبی ہو، وہ تمہارے حسن سلوک کا زیادہ حقدار ہے۔

اس حدیث پاک میں ماں اور باپ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور جو قریبی رشتہ دار ہو، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ۔ (الادب المفرد، باب برالام)

ترجمہ: والد کی رضا میں رب کی رضا ہے اور والد کی ناراضگی میں رب کی ناراضگی ہے۔

یہ حدیث آج کے نوجوان اور نئی نسل کے لیے نہایت قابل عبرت ہے، کیوں کہ آج ہم اپنے والدین کی رضامندی اور ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ ان کو اکثر معاملات میں ناراض کر دیتے ہیں اور اس طرح کے عمل سے ہم اپنے رب کو ناراض کر لیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ يُصْبِحُ إِلَيْهِمَا مُحْتَسِبًا، إِلَّا فَتَحَ لَهُ اللهُ بَابَيْنِ، يَعْنِي: مِنَ الْجَنَّةِ - وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ، وَإِنْ أَغْضَبَ أَحَدَهُمَا لَمْ يَرْضَ اللهُ عَنْهُ حَتَّى يَرْضَى عَنْهُ، قِيلَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ۔ (الادب المفرد، برالوالدین)

ترجمہ: جس مسلم شخص کے والدین مسلمان ہوں اور وہ طالب ثواب ہو کر ان کے ساتھ حسن سلوک کی حالت میں صبح کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک ہوں تو اس کے لیے ایک دروازہ کھول دیتا ہے اور اگر ان میں کسی ایک کو ناراض کر دے تو اللہ اس سے راضی نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ اس سے راضی ہو جائے۔ آپ سے عرض کیا گیا: اگر چہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں۔

یہ حدیث توجہ کی طالب ہے؛ کیوں کہ آج کل والدین پر اسی بہانے سے ظلم کیا جاتا ہے کہ وہ اس پر ظلم کرتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس حدیث پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ بالفرض اگر والدین اس پر ظلم بھی کریں تو اولاد پر ضروری ہے کہ وہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آئے۔ آج والدین کے ساتھ اس قدر ظلم کا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ اس کو دیکھ کر کلیجہ منھ کو آتا ہے، بات بات میں ان کو ڈانٹ ڈپٹ دینا اور جھڑک دینا تو عام بات ہوگئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ۔ (بخاری، کتاب الادب)

ترجمہ: تمام بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! آدمی اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ایک آدمی دوسرے آدمی کے والد کو گالی دیتا ہے، تو وہ اس کے باپ اور اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

صحابہ کرام کو تعجب ہوا کہ کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی

دے سکتا ہے؟ لیکن آج ماں باپ کو گالی دینا تو الگ بات ہے، ان کو مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا، قَالُوا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ۔ (صحیح مسلم، کتاب الشہادات)

ترجمہ: کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتادوں؟ اور آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ! ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے کو کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا ہے اور اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ: مَنْ؟ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا، ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (صحیح مسلم، کتاب البر)

ترجمہ: اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ ارشاد فرمایا: جس نے ماں باپ کو، یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت نہ پاسکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء)

ترجمہ: تین دعائیں بلاشبہ مقبول ہیں: ایک مظلوم کی دعا، دوم مسافر کی دعا اور سوم بیٹے کے خلاف باپ کی دعا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ۔ (مسند شہاب القضائی)

ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

یعنی جو شخص جنت کا طالب ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ماں کی خدمت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً، قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، اللهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ۔ (شعب الایمان، برالوالدین)

ترجمہ: جب کوئی فرماں بردار بیٹا اپنے والدین کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرمادیتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ ہر روز سو مرتبہ دیکھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ بہت بڑا ہے اور اس کی ذات ہر عیب اور ہر کمی سے پاک ہے۔

گویا اگر کوئی دن میں سو مرتبہ اپنے والدین کو محبت سے دیکھے تو اس کو سو حج مقبول کا ثواب ملے گا۔ اب اگر کوئی اپنے والدین کو محبت کی نظر سے نہ دیکھے اور حج مقبول کا ثواب حاصل نہ کرے، تو اس سے بڑا بدبخت اور کون ہوگا؟

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ!

أَبَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهٖ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ: نَعَمْ، الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِيفَاءُ

بِعُهُودِهِمَا مِنۡ بَعۡدِ مَوۡتِهِمَا، وَإِكۡرَامُ صَدِيقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب)

ترجمہ: کیا میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کے لیے کوئی نیکی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ان پر درود بھیجنا، ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا، ان کے وعدے کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی تعظیم وتوقیر کرنا اور صرف ان ہی کی خاطر کسی سے صلہ رحمی کرنا۔

اس حدیث میں چند طریقے بتائے گئے ہیں جنھیں اپنا کر والدین کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں، جیسے:

۱۔ان پر سلام بھیج کر۔

۲۔ان کے لیے دعائے مغفرت کر کے۔

۳۔ان کے وعدے کو پورا کر کے۔

۴۔ان کے دوستوں کے ساتھ عزت واحترام اور ادب کے ساتھ پیش آ کر۔

۵۔صرف ان کی خوشی کی خاطر کسی سے حسن سلوک کر کے۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ ایک شخص کو اس کی ماں نے شادی کرنے کا حکم دیا، پھر اس کو طلاق دینے کا حکم دیا، تو اس نے حضرت ابو دردا سے دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: میں تمھیں نہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دوں گا اور نہ اپنی ماں کی نافرمانی کا حکم دوں گا، البتہ میں تمھیں وہ بات بتا دیتا ہوں جس کو میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ،إِنْ شِئْتَ فَاحْفَظْ، وَإِنْ شِئْتَ فَضَيِّعْ، قَالَ: لَا، بَلْ أَحْفَظُ، فَطَلَّقَهَا۔

(شعب الایمان، بر الوالدین)

ترجمہ: والدین جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہیں، اس لیے اب تم چاہو تو اس دروازے کی حفاظت کرو، یا اس کو گنوا دو۔ اس شخص نے کہا: نہیں، بلکہ میں اس کی حفاظت کروں گا، چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا۔

اس حدیث میں غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینا تو پسند کر لیا مگر اپنی ماں کی نافرمانی کرنا گوارا نہ کیا۔ لیکن آج اس کے برعکس ہو رہا ہے کہ ہم اپنی ماں کو چھوڑنا تو پسند کر لیتے ہیں مگر اپنی بیوی کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے اپنی ماں کو طرح طرح کی تکلیفیں بھی دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنَعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ۔ (صحیح بخاری، باب اضاعۃ المال)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ دفن کرنے اور کسی کے واجب حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور قیل وقال، زیادہ سوالات اور مال برباد کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔

اس حدیث پاک میں اللہ نے ماں کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کہ قیل وقال سے بھی منع فرمایا ہے، جب کہ آج ہمارے اندر یہ برائی کافی حد تک موجود ہے کہ جب بھی والدین کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو ہم قیل وقال کرنے لگتے ہیں، پھر اگر ان کی بات ہمارے موافق ہوتی ہے تو مان لیتے ہیں اور اگر ناموافق ہوتی ہے تو ٹھکرا دیتے ہیں، یہ بہت ہی غلط ہے، بلکہ ان کی بات ہمارے موافق ہو یا نہ ہو، ہر حال میں ماننا ہمارے لیے ضروری ہے جب تک کہ دین کے خلاف حکم نہ دیں۔

***

غسل میت اور کفن کے مسائل

میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے جیسے کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے، اگر میت کو کچھ لوگوں نے غسل دے دیا تو غسل دینے کی فرضیت سب کے ذمے سے ادا ہو جائے گی اور اگر کسی نے بھی غسل نہیں دیا تو سب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

غسل میت کے وقت پردہ کریں

میت کے تمام بدن پر ایک بار پانی بہانا فرض ہے اور تین مرتبہ سنت ہے۔ جہاں میت کو غسل دینا ہو وہاں پردہ کر لینا چاہیے تاکہ غسل دینے میں شریک لوگوں کے علاوہ کوئی شخص نہ دیکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا، فَسَتَرَهُ سَتَرَهُ اللهُ مِنَ الذُّنُوبِ، وَمَنْ كَفَّنَهُ كَسَاهُ اللهُ مِنَ السُّنْدُسِ۔ (معجم کبیر للطبرانی، باب:۲)

ترجمہ: جو شخص میت کو غسل دے اور اس وقت پردہ کرے، تو اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جو میت کو کفن پہنائے گا اللہ اُسے سندس (ایک خاص قسم کا کپڑا) پہنائے گا۔

میت کی پردہ پوشی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر میت میں کوئی عیب دیکھے تو اُسے لوگوں کے درمیان بیان نہ کرے۔

ایک دوسری حدیث پاک ہے:

لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ۔ (صحیح مسلم، باب تحریم النظر الی العورات)

ترجمہ: مرد، مرد کے ستر عورت کو نہ دیکھے اور خاتون، خاتون کے ستر عورت کو نہ دیکھے۔

پردہ کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک زندگی میں اور دوسری موت کے بعد، اسی لیے علمائے کرام نے غسل میت کے وقت بھی پردے کا حکم دیا ہے۔

میت کو غسل کون دیں؟

میت کو غسل دینے والے قریبی رشتے دار ہوں اور اُن میں بھی وہ لوگ جو سب سے زیادہ متقی اور پابند شریعت ہوں، نیز غسل میت کے مسائل سے بخوبی واقف ہوں، جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ:

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا اور عام میت کی طرح کچھ دیکھنے لگا تو میں نے کچھ نہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات و موت دونوں زندگی میں پاک وصاف رہے۔ جن چار لوگوں نے آپ کی تجہیز و تکفین کی ذمے داری ادا کی، ان میں حضرت علی (داماد)، حضرت عباس (چچا)، حضرت فضل (چچازاد بھائی) اور حضرت صالح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (سنن بیہقی، ابواب غسل المیت)

مذکورہ چاروں اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی بھی ہیں اور متقی و پابند شریعت بھی۔

میت کو نہلانے کے بعد خود نہانا ضروری نہیں

میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا ضروری نہیں، البتہ غسل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ إِنَّ مَيِّتَكُمْ لَمُؤْمِنٌ طَاهِرٌ وَلَيْسَ بِنَجِسٍ فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيَكُمْ۔ (سنن بیہقی، باب غسل المیت)

ترجمہ: جب تم میت کو غسل دے لو، تو اس کے بعد تمھیں غسل کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ مومن میت پاک ہوتی ہے، ناپاک نہیں۔ چنانچہ بس اتنا کافی ہے کہ غسل میت کے بعد اپنا اپنا ہاتھ دھولو۔

کفن کے مسائل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا وَلِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ۔ (سنن ترمذی، باب عیادۃ المریض)

ترجمہ: جب کوئی اپنے بھائی کے کفن کا ذمے دار ہو تو اس کو اچھا کفن دینا چاہیے۔

مردوں کا کفن

مردوں کو تین کپڑا دینا سنت ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو کفن میں تین کپڑا دیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيضٍ، سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهِنَّ قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ۔ (بخاری و مسلم، باب الثیاب البیض للکفن)

رسول اللہ علیہ وسلم کو تین سفید یمنی کپڑوں کا کفن دیا گیا جو اُون کا بنا ہوا تھا، اس میں نہ قمیص تھا نہ عمامہ۔

معلوم ہوا کہ مرد میت کو کفن میں تین کپڑے دینا چاہیے۔

خواتین کا کفن

حضرت لیلی بنت قانف ثقفیہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ کی صاحبزادی ام کلثوم کو جب غسل دیا جارہا تھا تو میں اسی جگہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لیے سب سے پہلے جو کپڑا دیا وہ ازار تھا، پھر قمیص، پھر دوپٹہ، پھر چادر، اس کے بعد اُن کو دوسرے کپڑے (سینہ بند) میں لپیٹا گیا۔

حضرت لیلی کہتی ہیں کہ اس وقت کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں تھا اور کفن کا کپڑا ایک ایک کرکے آپ دے رہے تھے۔ (ابوداؤد، باب کفن المیت)

اسی پانچویں کپڑے کی وضاحت حضرت حسن بصری قدس اللہ سرہٗ یوں کرتے ہیں کہ:

الْخِرْقَةُ الْخَامِسَةُ تَشُدُّ بِهَا الْفَخِذَيْنِ وَالْوَرِكَيْنِ تَحْتَ الدِّرْعِ۔ (بخاری، کتاب الجنائز)

ترجمہ: پانچواں کپڑا وہ ہے جس سے دونوں ران اور قمیص کے نیچے کولھوں کو باندھا جاتا ہے۔ (یہ وہی کپڑا ہے جسے سینہ بند بھی کہا جاتا ہے)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر میت خاتونش ہو تو اس کو کفن میں پانچ کپڑے دینا چاہیے۔

مرد کو تین کپڑوں سے زیادہ کفن دینا مکروہ ہے اور خواتین کو پانچ کپڑوں سے زیادہ کفن مکروہ ہے۔ جب کہ کفن میں ایک کپڑا بھی دیا جاسکتا ہے اگر وہ کپڑا تنہا میت کے تمام بدن کو ڈھکنے والا ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کو ایک ہی کپڑا کفن میں دیا۔ (شرح السنہ للبغوی)

بزرگوں کا کپڑا کفن میں دینا

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ کا باپ عبداللہ بن اُبَیّ (منافق) کا انتقال ہو گیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: مجھے اپنی قمیص عنایت کریں، اس میں اپنے والد کو کفن دوں گا۔ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی

قمیص اس کو عطا کر دی اور فرمایا: إِذَا فَرَغْتُمْ فَآذِنُونِي۔

ترجمہ: جب کفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانا۔

جب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر نے آپ سے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے آپ کو منع نہیں فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے کہ مغفرت کی دعا کروں یا نہ کروں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ ادا کی، پھر اللہ نے وحی نازل فرمائی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ فَتَرَكَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِمْ۔ (ترمذی، باب سورۃ التوبہ)

ترجمہ: منافقین میں کوئی مرجائے تو کبھی بھی آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ ان کی قبر پر جائیں۔ اس کے بعد آپ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانا چھوڑ دیا۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں: ایک بزرگوں کے کپڑے بطور کفن مومن میت کو پہنانا نفع بخش اور برکت کا سبب ہیں، اگر یہ کچھ نفع نہ دیتے، تو حضرت عبداللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قمیص نہ مانگتے اور آپ بھی اس عمل سے بچنے کی تلقین فرماتے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا جو اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہ غیر شرعی عمل نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ منافق کی نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا دونوں منع ہیں اور تیسری بات یہ کہ بزرگوں کے کپڑے ہر کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہیں، بلکہ صرف اور صرف مومنوں کے لیے فائدہ مند ہیں، اگر غیروں کے لیے بھی نفع بخش ہوتے تو عبداللہ بن اُبَی کو بھی نفع ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

حضرت عمر بن دینار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ، ثُمَّ بِالدَّيْنِ، ثُمَّ بِالْوَصِيَّةِ، وَقَالَ سُفْيَانُ: أَجْرُ الْقَبْرِ وَالْغَسْلِ هُوَ مِنَ الْكَفَنِ۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نے کہا: میت کے مال سے پہلے اس کو کفن دیا جائے گا، پھر قرض کی ادائیگی کی جائے گی، پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور ابوسفیان نے کہا: میت کے مال سے قبر اور کفن دفن کی اجرت ادا کی جائے گی۔

شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ شُهَدَاءَ أُحُدٍ لَمْ يُغَسَّلُوا وَدُفِنُوا بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ۔ (سنن ابوداؤد، باب فی الشہید)

ترجمہ: واقعی اُحد کے شہیدوں کو غسل نہیں دیا گیا اور انھیں خون آلود ہی دفن کر دیا گیا اور ان کی نماز بھی نہیں پڑھی گئی۔

یعنی شہیدوں کے لیے غسل نہیں۔

احرام پوش کو اسی کے کپڑے میں غسل دیا جائے گا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِغْسِلُوا الْمُحْرِمَ فِي ثَوْبَيْهِ الَّذَيْنِ أَحْرَمَ فِيهِمَا، وَاغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ، وَلَا تُمِسُّوهُ بِطِيبٍ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُحْرِمًا۔ (سنن نسائی، باب کیف یکفن المحرم)

محرم کو اُس کے اُن دو کپڑوں میں غسل دو جنھیں وہ احرام کی حالت میں پہنے ہیں، اس کو ایسے پانی سے غسل دو جس میں بیری کی پتی شامل ہو اور اُسے اُسی کے دو کپڑوں کا کفن بھی دو، نہ اُسے خوشبو لگاؤ اور نہ ہی اس کے سر کو ڈھکو، کیوں کہ قیامت میں وہ احرام کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

***

مسافر کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیے

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ جنھیں پیار سے ''سلطان جی'' بھی کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے چوتھے بزرگ ہیں، انھیں شیخ فریدالدین گنج شکر کے جانشیں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا اصل نام محمد بن احمد اور لقب نظام الدین ہے۔ آپ کی پیدائش بمقام ''بدایوں'' ٦٣٦ ہجری مطابق ١٢٣٨ عیسوی میں ہوئی اور وفات بمقام ''دہلی'' ٧٢٥ ہجری مطابق ١٣٢٥ عیسوی میں۔ ''فوائدالفواد'' آپ کے ملفوظات کا مشہور مجموعہ ہے۔ قارئین کی افادیت کے لیے اسی مجموعے کی تیسویں مجلس پیش ہے۔ (ادارہ)

ماہ جمادی الاولیٰ کی ٢٨ ویں تاریخ بروز بدھ قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ بندے (امیر حسن) سے پوچھا:

جمعہ کی نماز کہاں ادا کرتے ہو؟

بندے نے عرض کی:

جامع مسجد کیلوکھری ہی میں ادا کرتا ہوں۔ مگر میں مخدوم کو زحمت اس لیے نہیں دیتا ہوں کہ اس دن عوام کا ہنگامہ بہت ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ میں نے کہہ رکھا ہے کہ میرے خاص مرید جو میرے پاس گھر آتے رہتے ہیں، ان کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ہجوموں میں میرے مزاحم ہوں۔

اس بات کی مناسبت سے کہ ایسی جگہوں پر زحمت نہیں دینی چاہیے، حکایت بیان فرمائی کہ مولانا برہان الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامل حال مولوی تھے۔ اگر کوئی شاگردان کی خدمت میں کچھ پڑھنے آتا تو اس سے کہتے: پہلے مجھ سے تین شرطیں طے کرو، پھر میں تمھیں کچھ سکھاؤں گا:

✶ پہلی شرط یہ ہے کہ کھانا ایک وقت کھانا اور جو کھانا بھی تمھیں اچھا لگے، جو تمہارا من بھاتا ہو، اس کو ایک دفعہ کھاؤ اور ایک وقت کھاؤ تا کہ علم کا برتن خالی رہے۔

✶ دوسری شرط یہ ہے کہ ناغہ نہ کرنا، اگر تم نے ایک دن بھی ناغہ کیا تو دوسرے دن میں تمھیں سبق نہیں دوں گا۔

✶ تیسری شرط یہ ہے کہ جب کبھی راستے میں مجھ سے ملنا تو بس سلام کرنا اور گزر جانا، راستے میں ہاتھ پیر پڑنا اور تعظیم کا اظہار نہ کرنا۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو اس کے بعد فرمایا:

میرے پاس لوگ آتے ہیں اور اپنا چہرہ زمین پر رکھتے ہیں، چوں کہ شیخ الاسلام فریدالدین اور شیخ قطب الدین قدس اللہ روحہما العزیز کے سامنے منع نہیں تھا، میں بھی منع نہیں کرتا۔

اس درمیان بندے نے عرض کی:

اگر کوئی مخدوم کے سامنے آتا ہے اور چہرہ زمین پر رکھتا

ہے، اس سے اس کو کچھ حاصل ہی ہوتا ہے کہ اس سے اس کی نفس شکنی ہوتی ہے۔

مخدوم تو اللہ عزوجل کی طرف سے بزرگ بنائے گئے ہیں۔ آپ کی بزرگی مریدوں کی خدمت کرنے سے تھوڑی ہے!

اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ان ہی گزشتہ دنوں میں ایک شخص آئے، بزرگ زادے تھے، سیاحت کیے ہوئے اور ملک شام و روم دیکھے ہوئے۔ جب وہ آکر بیٹھے تو اسی دوران وحید الدین قریشی آئے اور جیسا کہ خدمت گاروں کی رسم ہے، آداب بجالائے اور سر زمین پر رکھا۔

یہ صاحب جو بیٹھے تھے، پکار کر بولے:

ایسا نہ کرو، سجدے کی اجازت کہیں نہیں آئی۔

اور اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے، میں نہیں چاہتا تھا کہ انھیں جواب دوں، لیکن جب بات بہت بڑھ گئی اور اس تعلق سے وہ بہت زیادہ غلو کرنے لگے تو میں نے ان سے بس اتنا کہا: سنو! اودھم مت مچاؤ۔

جو بات بھی فرض رہی ہو، جب اس کی فرضیت چلی جاتی ہے تو استحباب باقی رہتا ہے، جیسا کہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے اگلی امتوں پر فرض تھے۔ مگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں چوں کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو وہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے کی فرضیت اٹھ گئی، لیکن استحباب باقی رہا۔

اب سجدے پر آتا ہوں، اگلی امتوں میں یہ مستحب تھا۔ چنانچہ رعیت بادشاہ کو اور شاگرد استاذ کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کیا کرتی تھی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو یہ سجدہ نہ رہا۔ البتہ اگر استحباب چلا گیا تو اباحت تو باقی رہی، اگر مستحب نہیں تو مباح ہوگا اور مباح سے انکار وممانعت کہاں سے آئی ہے؟ کوئی ایک ہی مجھے بتادو۔ خالی انکار سے کیا ہوتا ہے؟

جب میں نے یہ کہا تو وہ چپ ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر یہ حکایت پوری کر چکے، پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا:

میں پشیمان ہوا کہ میں نے اتنی بات بھی ان سے کیوں کہی جس سے وہ دل شکستہ ہو گئے ہوں، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

میں دو چیزوں سے پشیمان ہوا:

✶ ایک تو اس چیز سے کہ ان سے ایسی بات کیوں کہی جس سے ان کی گرفت (پکڑ) ہوئی۔

✶ دوسرے یہ کہ وہ مسافر تھے، اس لیے مجھے انھیں کچھ دینا چاہیے تھا، اگر کپڑا یا نقدی اسے دیتا تو اچھا ہوتا۔

ان ہی دو چیزوں سے مجھے پشیمانی ہوئی۔

اس کے بعد کسی کو کچھ پیش کرنے کے بارے میں فرمایا:

شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا تھا کہ جو کوئی بھی آدمی تمہارے پاس آئے تمھیں چاہیے کہ اس کو کچھ دو۔

اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی بوڑھا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا:

میں شیخ قطب الدین بختیار طیب اللہ ثراہ کی خدمت میں رہا ہوں اور آپ کو وہاں دیکھا ہے، شیخ نے اسے نہیں پہچانا۔ جب مزید تعارف کرایا تو پہچان گئے۔

غرض کہ یہ بوڑھا ایک جوان کو بھی ساتھ لایا تھا جو اس کا لڑکا تھا۔ اس درمیان بات سے بات نکلی تو اس کے لڑکے نے بے ادبی سے حجت کی اور گستاخی کے انداز میں شیخ سے اونچی آواز میں بحث شروع کر دی، شیخ نے بھی آواز بلند فرمائی۔

خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں اور مولانا شہاب الدین، جو شیخ کے صاحبزادے تھے، ہم دونوں دروازے کے باہر بیٹھے تھے۔ جب زیادہ شور ہوا تو اندر آئے، وہ لڑکا بے ادبی سے گفتگو کر رہا تھا، یہ دیکھ کر مولانا شہاب الدین اندر آئے اور اس لڑکے کو طمانچہ مار دیا۔

لڑکے نے غصے میں چاہا کہ مولانا سے بدسلوکی کرے، میں نے اس لڑکے کے ہاتھ پکڑ لیے۔

اس درمیان شیخ کبیر قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا:

آپس میں صلح صفائی کر لو۔

مولانا شہاب الدین ایک عمدہ کپڑے کا ٹکڑا لائے اور کچھ نقدی ان باپ بیٹوں کو دی، پھر وہ دونوں باپ بیٹے خوش ہو کر چلے گئے۔

***

طب یونانی کا سہ ماہی منفرد ترجمان جسے آج دستاویزی حیثیت حاصل ہے

نوائے طب وصحت

(اشاعت کا ۲۲واں سال)

زیر سرپرستی: داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

زیر ادارت: حکیم محمد عرفان نجف علیمی

فی شمارہ: Rs. 30، سالانہ: Rs. 300، تاحیات ممبرشپ: Rs. 1000

ترسیل زر، خط وکتابت کا پتہ:

NAWA-E-TIB-O-SEHAT

Neem Sarai, Dhoomanganj, Alld. Mob. +919935289962

E-mail- nitosehat@rediffmail.com

خرقہ اور صحبت مشائخ

سلطان طریقت، برہان حقیقت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ یکتائے روزگار شخصیت، عارف ربانی اور عظیم صوفی تھے۔ان کی پیدائش 'خراسان' کے 'میہنہ' گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی ''**اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید**' موسوم بہ '**مقامات خواجہ**' ان کے مخصوص احوال واقوال پر مشتمل ہے جسے آپ کے پرپوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔**مولانا امام الدین سعیدی** (استاذ جامعہ عارفیہ) نے اس کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔۱۵ویں قسط سے مسلسل عام افادیت کے لیے انھیں کا ترجمہ بالترتیب پیش کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

خرقہ وصحبت کے متعلق مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں جو بہت سارے فوائد پر مشتمل ہیں۔اس باب میں خاص طور سے ہمارے شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ کے بکثرت فرمودات ہیں جن کا تذکرہ بعض مقامات پر ہوگا۔حاصل یہ کہ جس شخص کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے تو پہلے اسے عشق کی دولت عطا ہوتی ہے، پھر اسی عشق کا دردوسوز اُسے درگاہ مشائخ کا خادم اور ملازم بننے پر مجبور کرتا ہے، تاکہ وہ فیوض حاصل کرسکے۔یہ علم، راہ عشق کے علاوہ کسی اور طریقے سے نہیں ملتا:

لیس الدین با لتمنی ولا بالتجلی ولکن بشی قر فی القلب وصدقه العمل.

ترجمہ: دین، آرزو اور ظاہری نمائش سے نہیں حاصل ہوتا، بلکہ اس چیز سے حاصل ہوتا ہے جو قلب میں جم جائے اور اس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے: ؎

اے بے خبر از سوختہ و سوختنی
عشق آمدنی بود نہ آموختنی

ترجمہ: اے سوز عشق اور محویت سے بے خبر! جان لو کہ عشق عطائی شی ہے، یہ سیکھنے سے نہیں ملتا۔

کوئی شخص اس قول کی وجہ سے اپنے لیے یہ عذر نہ بنائے اور نہ یہ علت بیان کرے کہ اس دور میں اس طرح کے مشائخ موجود نہیں، یا یہ کہے کہ جس طرح کے مشائخ وائمہ طریقت پہلے تھے وہ اب نہیں رہے۔ایسا خیال نفس کا بہکاوا ہے اور سستی وکاہلی کی علامت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اس راہ کا طالب ہو، اس کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں جن کو شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہٗ نے بیان فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

مبتدی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، سفر اور مرشد، جیسا کہ اس راہ میں مجھے کافی پریشانی ہوئی اور دشواریاں آئیں مگر اللہ

تبارک وتعالیٰ کا فضل ہوا، اس کی مشیت سے جب بھی مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ایک شافعی مسلک کا عالم آکر اُسے حل کردیتا۔ میں نے ۸۳؍سال حق کے ساتھ زندگی گزاری۔ اس درمیان ایک بھی سجدہ خلاف شرع نہیں کیا اور ایک سانس بھی نفس کی موافقت میں نہیں نکالی، پھر یہ سفر میرے لیے ایسا ہوگیا کہ عرش بریں سے تحت الثریٰ کا فاصلہ ایک قدم میں طے کرلیتا۔ جب عشق صادق اور ارادت خالص ہوتی ہے تو زندگی میں ایسا ہی خوشگوار نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

گروہ صوفیا کے مابین اہم ترین بنیادی اصول یہ ہے کہ پوری جماعت فرد کے حکم میں اور فرد جماعت کے حکم میں ہوتا ہے۔ دنیا کے جملہ صوفیا و مشائخ کے مابین کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے، مکار اور جاہل صوفی اس مقدس گروہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ مشائخ کے الفاظ وعبارات صورتاً اگرچہ مختلف ہوتے ہیں مگر معنی و مفہوم کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے کسی کو ایک شیخ سے خرقہ حاصل ہو تو اسے خرقہ اصلی سمجھا جاتا ہے، پھر کسی دوسرے شیخ سے دوسرا خرقہ ملا تو اسے خرقہ تبرک کہا جاتا ہے مگر چشم حقیقت سے دیکھا جائے تو دونوں ایک ہی ہیں، اس لیے کہ وہ دونوں ہاتھ ایک ہی ہاتھ کے حکم میں ہیں اور دونوں خرقہ ایک ہی خرقہ کے حکم میں ہیں۔ بارگاہ صوفیا کا دستور یہی ہے کہ ایک کا مقبول سب کا مقبول اور ایک کا مردود سب کا مردود۔ (العیاذ باللہ)

بس فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ اس کی اہلیت پر دو عادل گواہوں کی شہادت ہے۔

جب آپ اس بات کو مزید مستحکم کرنا چاہتے ہیں کہ سارے صوفیا باہم ایک ہیں، ان میں دوئی نہیں تو اسے اس طور سے جانیں کہ سارے ادیان و مذاہب کا اس پر اتفاق ہے اور سارے عقلا کے نزدیک یہ حقیقت مسلم ہے کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے، وہ ہر اعتبار سے ایک ہے اور وہاں دو کا تصور محال ہے، اگرچہ اس کو پانے کے لیے سلوک وطریق مختلف ہیں مگر منزل ایک ہے۔ سالک جب منزل پر پہنچتا ہے تو اختلاف ختم ہوجاتا ہے اور سب ایک ہوجاتے ہیں۔ بشری خصلتوں میں سے کچھ بھی اگر باقی رہتا ہے تو مقصود نہیں پاتا، بلکہ اس کی حالت میں تلون وتبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جب وہ مقصود کو پالیتا ہے تو اس کے اندر سے یہ ساری صفتیں ختم ہوجاتی ہیں، کیوں کہ وہ وحدت میں گم ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ میں کوئی انا الحق پکارتا ہے، کوئی سبحانی کا نعرہ لگاتا ہے اور ہمارے شیخ لیس فی جبتی سوی اللہ کا نعرہ مارتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ جس نے بھی اس راہ میں مقصود کو نہیں پایا وہ شیخ بننے کے لائق نہیں، بلکہ وہ خود ایک ایسے شیخ کا محتاج ہے جو اس کی رہنمائی کرے۔ ہاں! جو مقصد کو پالے وہ پیر کہلانے کا اہل ہے۔ یہیں سے مشائخ کا یہ قول حجت وبرہان سے ثابت ہوگیا کہ کل، فرد کے حکم میں ہے اور فرد، کل کے حکم میں ہے۔ اس کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ ان کا عطا کیا ہوا خرقہ بھی ایک ہے اور ان کا ہاتھ بھی ایک ہے، کیوں کہ وہ سب ایک ہی ہیں۔

اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ دو شیخ سے خرقہ نہیں لینا چاہیے،

وہ دراصل اپنے گمان فاسد کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ ابھی تک شرک ودوئی میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے ان کے مابین تفریق دیکھتا ہے اور وہ احوال مشائخ سے ناواقف ہے۔ جب وہ چشم حقیقت سے دیکھے گا تو اس پر حق عیاں ہو جائے گا۔

بعض لوگ اس بات سے کہ دوسرا خرقہ نہیں لینا چاہیے یہ مراد لیتے ہیں کہ خرقۂ ثانی خرقہ اولیٰ کو باطل کر دیتا ہے۔ یہ بات درست ہے، کیوں کہ جو اس نیت سے خرقۂ ثانی لینا چاہتا ہے کہ یہ پہلے والے کو بیکار کر دیتا ہے تو اس کے لیے خرقۂ اولیٰ واقعی باطل ہو جاتا ہے اور دوسرے خرقے کا پہننا بھی حرام ہو جاتا ہے۔ گروہ صوفیا کے مابین ایسا شخص معتوب ومحروم شمار ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ من ذلک)

شیخ ابوالعباس قدس اللہ سرہٗ کا شجرۂ خرقہ درج ذیل ہے:

- ✶ شیخ ابوالعباس قصاب آملی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ محمد بن عبداللہ طبری قدس اللہ سرہٗ
- ✶ ابومحمد جریری قدس اللہ سرہٗ
- ✶ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ شیخ سری سقطی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ شیخ معروف کرخی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ شیخ داؤد طائی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ شیخ حبیب عجمی قدس اللہ سرہٗ
- ✶ حضرت حسن بصری قدس اللہ سرہٗ
- ✶ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم
- ✶ سید المرسلین محمد مصطفی علیہ الصلاۃ والتسلیم

نوٹ: مذکورہ واقعہ جس میں شیخ ابوالعباس قدس اللہ سرہٗ کا کپڑا فصد کھل جانے سے خون آلود ہو گیا تھا اور شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ نے اس رات اپنا کپڑا اُنھیں پیش کیا تھا، اس کا بقیہ حصہ یہاں سے بیان کیا جا رہا ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ اپنے حجرۂ خاص میں چلے گئے، صبح نماز فجر کے بعد درویشوں نے ایک حیرت انگیز بات دیکھی، وہ یہ کہ شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ، شیخ ابوالعباس قدس اللہ سرہٗ کا کپڑا پہنے ہوئے تھے اور شیخ ابوالعباس، شیخ ابوسعید کا کپڑا پہنے تھے۔ سبھی حضرات حیرت میں تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ شیخ ابوالعباس قدس اللہ سرہٗ نے اپنی فراست سے لوگوں کی حیرت کو بھانپ لیا اور فرمایا: یہ حق بات ہے کہ گزشتہ رات سارے عطیات واعزازات اس میہنی جوان کے حصے میں آ گئے، اللہ اسے مبارک کرے۔

بعد ازاں شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تو ''میہنہ'' واپس ہو جا، عنقریب تھوڑی سی مدت کے بعد علم تصوف تمہارے دروازے پر نصب کیا جائے گا۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

میں حسب ارشاد ''میہنہ'' آ گیا ہزاروں فتوحات کی سوغات لے کر۔ اس کے بعد ارادت مندوں کی بھیڑ لگنے لگی اور معاملہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔

ادھر شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ ''میہنہ'' پہنچے ہی تھے کہ ادھر حضرت شیخ ابوالعباس قصاب قدس اللہ سرہٗ کا ''آمل'' میں وصال ہو گیا۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روز جب میں شیخ ابو العباس قدس اللہ سرہٗ کے پاس ہی رہتا تھا، ایک واقعہ رونما ہوا کہ دو لوگ شیخ کی خدمت میں آئے اور شیخ سے عرض کرنے لگے:

اے شیخ! ہم دونوں کے درمیان ایک مسئلہ زیر بحث ہے۔ وہ یہ کہ ایک کہتا ہے کہ ازل وابد کا حزن وغم زیادہ کمال والا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ ازل وابد کی راحت وخوشی زیادہ اہم ہے۔ آپ اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں؟

شیخ نے یہ سن کر اپنا ہاتھ چہرے پر پھیرا اور فرمایا:

الحمدللہ! ابن قصاب کا مقام نہ رنج وغم کا مقام ہے اور نہ سرور ونشاط کا۔

لیس عند ربکم صباح ولا مسا۔

رب کے قرب میں نہ صبح ہے اور نہ شام۔

مسرت وغم یہ تیری صفت ہے اور جو بھی تیری صفت ہوگی وہ حادث ہوگی اور حادث کے لیے قدیم کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔

***

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر

ماہنامہ **خضر راہ** الہ آباد کی خصوصی پیش کش

پیغام سیرت

(مدنی زندگی کے حوالے سے)

جس میں آپ پڑھ سکیں گے:

- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کیسی تھی؟
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی نمایاں خصوصیات کیا تھیں؟
- عام انسانی زندگی پر خطبۂ حجۃ الوداع کے اثرات کیا ہوئے؟
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

غلام مصطفی ازہری

حدیث موضوع کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ اوران کے معانی

محدثین نے کسی حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانے کے لیے مختلف الفاظ کا استعمال کیا ہے، ان میں سے کچھ صریح ہیں جو موضوع ہی کے لیے خاص ہیں، کچھ کنایہ ہیں جن کے متعدد معانی ہیں اور ہر ایک معانی کے لیے برابر استعمال ہوتے ہیں، اسی لیے ان الفاظ کے معانی اور ان کی مراد جاننا ضروری ہے۔ سردست چند الفاظ کی تشریح کی جارہی ہے:

۱۔ لَا أَصْلَ لَهُ (اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔)

یہ کلمہ متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

الف: لَاسَنَدَ لَهُ (اس کی کوئی سند نہیں ہے۔)

یعنی جس حدیث پر لَا أَصْلَ لَهُ کا حکم لگایا جائے اس کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے۔ لَا أَصْلَ لَهُ کے علاوہ بھی متعدد دوسری تعبیرات اس معنی میں بولی جاتی ہیں، جیسے: لَا اَصْلَ لَهُ بِهٰذَا اللَّفْظ، لَيْسَ لَهُ اَصْل، لَا يُعْرَفُ لَهُ اصل، لَمْ يُوْجَدْ له اصل وغیرہ

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ محدثین کا قول هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، أَوْلَا أَصْلَ لَهُ کا معنی ابن تیمیہ نے یہ بتایا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے۔

(تدریب الراوی، ج:۱،ص:۳۵۰)

اس سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ واقع اور نفس الامر میں بھی اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے۔ جب کہ اس کا صرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خاص اس قائل یا محدث کو اس حدیث کی کوئی سند نہیں ملی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علما نے بے سند حدیثوں کو بھی فضائل کے باب میں قبول کیا ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حدیث، موضوع ہونے کے دو اسباب ہیں:

۱۔ حدیث عام قواعد شرع کے خلاف ہو۔

۲۔ حدیث کا راوی کذاب یا وضاع ہو۔

اس دوسری وجہ پر ہم کلام کر چکے ہیں کہ جھوٹا بھی کبھی سچ بول سکتا ہے اس لیے بغیر تبین و تحقیق اس کی بیان کردہ حدیث کو موضوع کہنا آسان نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جن حدیثوں کی کوئی سند نہیں ہے، مگر ائمہ اعلام نے انھیں اپنی کتابوں میں ذکر بھی کیا ہے اور یہ احادیث قواعد شرع کے خلاف بھی نہیں تو ان حدیثوں کے بارے میں کیا موقف رکھا جائے؟ اب چوں کہ اس کی سند نہیں ہے کہ راوی کے حالات کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جائے، ہمارے سامنے صرف وہی ائمہ اعلام ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا ہے تو کیا یہ سب ائمہ جھوٹے ہیں یا جھوٹوں سے حدیث بیان کرتے ہیں؟

اس کی جسارت کرنا ہم جیسوں کے لیے مشکل ہے۔ اس کی جرأت علامہ جلال الدین سیوطی بھی نہ کر سکے۔ انھوں نے حدیث: اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔) کے بارے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو نصر مقدسی نے الْحُجَّة میں اور بیہقی نے الرِّسَالَةُ الأشعرية میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے، اسی طرح حلیمی، قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہ

نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اس حدیث کی تخریج محدثین کی ان کتابوں سے کی ہو جو ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔

فِي الْحُجَّة والبيهقي فِي الرِّسالةِ الأشعرية بِغَيْرِ سَنَدٍ وَأَوردهُ الْحَلِيمِيّ وَالْقَاضِي حُسَيْن وإِمامُ الْحَرَمَيْنِ وَغَيرهم وَلَعَلَّه خرج فِي بعض كتب الْحفاظ الَّتِي لم تصل إلينا۔ (جامع صغیر)

یہ ہے اکابر کا احترام اور ان کا حسن ظن، مگر اس زمانے میں کچھ لوگ صرف اسی بنیاد پر بہت ساری ان حدیثوں کو موضوع کہہ دیتے ہیں جن کی سند اُنھیں نہیں ملی ایسے حضرات کا یہ جذبہ اس حیثیت سے قابل تحسین ہے کہ ہم کوئی حدیث بغیر سند وحوالہ کے تسلیم نہیں کریں گے لیکن جب اس قسم کی بعض احادیث اکابر کی کتابوں میں موجود ہوں تو ان کو یکسر رد کرتے وقت ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بظاہر ایک نیک جذبے کے تحت اپنے رسول کی حدیثیں مسترد کرنے کا جرم کر رہے ہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ بالعموم بلا سند حدیث کو موضوع ہی کہا جانا چاہیے لیکن اگر ائمہ اعلام نے کسی حدیث کو نقل کیا اور اس حدیث کا تعلق فضائل کے باب سے ہے تو ان کی بیان کردہ حدیث کو بیک جنبش قلم رد کر دینا انصاف نہیں ہے، ان ائمہ اعلام کے ساتھ حسن ظن قائم رکھیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی ثقہ سند رہی ہو یا کشف وتجربے کی وجہ سے انھوں نے اس حدیث کی توثیق کی ہو۔

ب: لَا أَصْلَ لِلْحَدِيْث۔ (حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے)

یعنی جس حدیث پر لَا أَصْلَ لَهٗ کا حکم لگایا جائے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں ہے بلکہ یہ حدیث متن کے باطل یا راوی کے جھوٹے ہونے کی وجہ سے موضوع ہے۔

خطیب بغدادی نے نعیم بن حماد کے واسطے سے صحابی رسول عوف بن مالک سے حدیث نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى بِضْعٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، أَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلَى أُمَّتِي قَوْمٌ يَقِيسُونَ الأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ فَيُحِلُّونَ الْحَرَامَ وَيُحَرِّمُونَ الْحَلالَ۔

ترجمہ: عنقریب میری امت ستر اور چند حصوں میں بٹ جائے گی، ان میں سب سے زیادہ فتنہ پرور وہ قوم ہوگی جو معاملات میں اپنی رائے سے فیصلہ کرے گی، اپنی مرضی سے حلال کو حرام کہے گی اور حرام کو حلال کہے گی۔

محمد بن علی بن حمزہ مروزی نے اس حدیث کے بارے میں یحیی بن معین سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا: نعیم بن حماد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ ثقہ وعادل ہیں تو پھر انھوں نے پوچھا: ثقہ راوی باطل اور غلط حدیث کیسے بیان کرسکتا ہے؟ ابن معین نے جواب دیا: انھیں وہم ہوگیا ہوگا۔ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حَمْزَةَ الْمَرْوَزِيُّ، يَقُولُ: سَأَلْتُ يَحْيَى بْنَ مَعِينٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، يَعْنِي: حَدِيثَ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَفْتَرِقُ أُمَّتِي. قَالَ: لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، قُلْتُ: فَنُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ؟ قَالَ: نُعَيْمٌ ثِقَةٌ، قُلْتُ: كَيْفَ يُحَدِّثُ ثِقَةٌ بِبَاطِلٍ؟ قَالَ: شُبِّهَ لَهُ۔ (تاریخ بغداد، تحقیق: بشار، ج:۱۵، ص:۴۱۹)

یحیی ابن معین کی اس بات سے یہ واضح ہوا کہ عوف ابن مالک سے مروی، افتراق امت والی حدیث کی کوئی اصل

نہیں ہے بلکہ موضوع و باطل ہے۔

ج: لَا أَصْلَ لَهٗ مِنْ هٰذَا الطَّرِيْقِ۔ (اس سند سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔)

یعنی جس حدیث پر لَا أَصْلَ لَهٗ کا حکم لگایا جائے اس کا تیسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی خاص اس سند سے کوئی اصل نہیں ہے، اس حدیث کی دیگر تمام اسانید صحیحہ وضعیفہ کا انکار کرنا مقصود نہیں ہے۔

اس معنی میں اس کلمے کا استعمال حفاظ حدیث تراجم وطبقات کی کتابوں میں بہت زیادہ کرتے ہیں جیسے ابو جعفر عقیلی نے علی بن قتیبہ رفاعی بصری کے بارے میں کہا:

يُحَدِّثُ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِيْلِ وَمَا لَا أَصْلَ لَهٗ۔ (علی رفاعی ثقات سے غلط اور بے اصل روایتیں بیان کرتا ہے۔)

(الضعفاء الکبیر، ج:۳، ص:۲۴۹)

پھر عقیلی نے علی رفاعی کے باطل اور غلط روایتوں میں سے دو کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔ (ہر امت کے لیے آزمائش ہے، میری امت کی آزمائش مال ہے۔) جب کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے سنن میں کعب بن عیاض سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علی رفاعی نے حضرت ابوہریرہ سے جو روایت بیان کیا ہے وہ غلط اور بے اصل ہے۔

د: لَا أَصْلَ لَهٗ صَحِيْحاً۔ (اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔)

یعنی جس حدیث پر لَا أَصْلَ لَهٗ کا حکم لگایا جائے اس کا چوتھا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لفظ و معنی کے اعتبار سے اس حدیث کی کوئی صحیح اصل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ سنت صحیحہ میں، نہ ضعیفہ میں اور کبھی یہ مراد لیتے ہیں کہ قرآن اور سنت صحیحہ میں اس حدیث کی کوئی صحیح اصل تو نہیں ہے لیکن حدیث ضعیف سے اس کی اصل ثابت ہے۔

لَا أَصْلَ لَهٗ کا یہ معنی بہت کم مستعمل ہے لیکن اس کے مقابلے میں اس کا صیغۂ اثبات یعنی أَصْلٌ لَهٗ اور اس کا ہم معنی معناہ صحیح کا استعمال بہت زیادہ ہے۔

اس مثبت صیغہ (أَصْلٌ لَهٗ) سے کبھی یہ مراد لیا جاتا ہے کہ اس حدیث کی اصل شریعت مطہرہ (قرآن واحادیث صحیحہ) میں موجود ہے، جیسے امام بخاری نے کہا: میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی ان ہی باتوں کو نقل کرتا ہوں جن کی کوئی اصل موجود ہو اور ان کو قرآن وسنت سے مدلل کرتا ہوں۔

وَلست أروي حَدِيثا من حَدِيث الصَّحَابَة وَالتَّابِعِين يَعْنِي من الْمَوْقُوفَات إِلَّا وَله أصل أحفظ ذَلِك عَن كتاب الله وَسنة رَسُوله۔ (فتح الباری، ج:۱، ص:۴۸۷)

اور کبھی یہ مراد لیا جاتا ہے کہ یہ حدیث متن وسند کے اعتبار سے پائے ثبوت کو نہیں پہنچی ہوئی ہے مگر اس کا معنی احادیث ضعیفہ سے ضرور ثابت ہے، جیسے:

تَخَتَّمُوْا بِالْعَقِيْقِ فَإِنَّهٗ مُبَارَكٌ (عقیق پتھر کی انگوٹھی پہنو، یہ بابرکت ہے) اس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کا کثرت اسناد سے مروی ہونا اس بات کو بتاتا ہے کہ اس کی اصل موجود ہے۔ وَكَثْرَةُ الطُّرُقِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْحَدِيْثَ لَهٗ أَصْلٌ۔ (مرقات، باب الخاتم)

ملا علی قاری کا یہ قول واضح کرتا ہے کہ اس حدیث کا ثبوت احادیث ضعیفہ ہی سے سہی مگر ثابت ہے۔

لَا أَصْلَ لَهٗ کے جو چار معانی اوپر مذکور ہوئے ان میں پہلے والے دو معانی (۱۔ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے ۲۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ موضوع وباطل ہے) متاخرین کے یہاں زیادہ استعمال ہیں جب کہ آخری دو معانی (۱۔ اس سند سے حدیث

کی اصل نہیں ۲۔اس حدیث کی کوئی صحیح سند نہیں ہے) متقدمین کے یہاں زیادہ ملتے ہیں۔

یہاں پر علامہ زرکشی (متوفی:۷۹۴ھ) کا ایک خوبصورت تبصرہ ذہن نشین رہے: قَدْ حَكَمَ جَمْعٌ مِنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ عَلىٰ أَحَادِيْثَ بِأَنَّهَا لَا أَصْلَ لَهَا وَوُجِدَ الْأَمْرُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ (متقدمین کی ایک جماعت نے جن حدیثوں پر لَا أَصْلَ لَهُ کا حکم لگایا ہے ان میں سے بہت پر حکم، خلاف واقع پایا گیا ہے، کیونکہ ایک سے بڑھ کر ایک علم والے ہیں۔)

(النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح، ۲ ج:ص:۲۶۷)

جب کہ دوسری طرف علامہ سخاوی یہ لکھتے ہیں:

وَلِذَا كَانَ الْحُكْمُ بِهِ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ عَسِيرًا جِدًّا، وَلِلنَّظَرِ فِيهِ مَجَالٌ۔ (متاخرین علما کے لیے کسی حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانا بہت دشوار ہے اور اگر انھوں نے کسی حدیث پر حکم لگایا تو اس میں غور وفکر کی گنجائش باقی رہتی ہے۔)(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، ج:۱،ص:۳۱۳)

لہٰذا لَا أَصْلَ لَهُ کہنے سے حدیث موضوع نہیں ہوگی جب تک کہ تحقیق سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ موضوع ہی مراد ہے اور موضوع کہنا درست بھی ہے کیونکہ اس کلمے سے جہاں نص کے وجود کی نفی ہوتی ہے وہیں کبھی سند کے وجود کی بھی نفی ہوتی ہے، اسی طرح کبھی مطلقاً صحت کی نفی ہوتی ہے تو کبھی کسی خاص سند کے صحیح ہونے کا انکار ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل اوپر مذکور ہوئی اس لیے تحقیق کے بغیر کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔

۲۔لَا أَعْرِفُهُ (میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔)

اس معنی کی دوسری تعبیرات بھی ہیں جیسے لم اعرفه ،لا اعرفه له اصلا، لم اعرفه بهذا اللفظ ،لم اقف عليه، لم اقف له على اصل ، لم اجد له اصلا،لم اجده، لم اجده هكذا، لم اره بهذا اللفظ، لم يرد فيه شيء، لا يُعْلَمُ مَنْ أخرجهٗ ولا اسنادهٗ

اس طرح کا حکم اگر حفاظ حدیث نے لگایا ہو اور ان کا رد کسی محدث نے نہیں کیا ہو تو اسے موضوع ہی سمجھا جائے گا۔ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے کہا: إِذْ قَالَ الْحَافِظُ الْمُطَّلِعُ النَّاقِدُ فِي حَدِيثٍ: لَا أَعْرِفُهُ، اعْتُمِدَ ذٰلِكَ فِي نَفْيِهِ۔ (جب کوئی حافظ حدیث، ماہر ناقد کسی حدیث کے بارے میں کہے کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا تو اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے گا)

علامہ جلال الدین نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علامہ ابن حجر کی اس بات کو زمانۂ تدوین کے بعد پر محمول کریں گے۔ (تدریب الراوی، ا ج:ص:۳۴۹)

واضح رہے کہ دور تدوین کے بعد تمام حدیثوں پر اکثر حفاظ کا مطلع ہونا بھی ایک دعوی ہے ورنہ بنظر عمیق غور کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ فضائل ومناقب اور ترغیب وترہیب کی تمام حدیثوں پر اطلاع تو دور کی بات ہے جملہ لواحق و متعلقات احکام پر ہی لوگ مطلع نہیں رہے ہیں بلکہ منقول ہی نہیں ہیں ورنہ رفع یدین میں اختلاف نہ ہوتا کہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ منسوخ ہے جب کہ دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں، اس پر آخری زمانۂ نبوی تک عمل ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح بہت سارے مسائل ہیں جن میں نسخ ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوگیا ہے، کسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوگیا ہے، تو بھلا یہ کیسے ممکن نہیں ہے کہ فضائل کی حدیثیں مدون ہی نہ ہوئی ہوں یا مدون تو ہوئی ہوں لیکن حفاظ یا محدثین نے نہیں

بلکہ دوسرے علما نے جمع کیا ہو، کیونکہ فضائل کے باب میں محدثین کا تساہل (سست رویہ) مشہور ہے۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ کیا ان علما کے جمع وتدوین پر اعتماد نہیں کیا جائے گا جو محدث ہونے کی حیثیت سے نہیں جانے جاتے ؟ اور اگر اعتماد کیا جائے تو ان کی جمع کردہ حدیثوں کے بارے میں کوئی محدث یہ کہے کہ ہم نے حدیث نہیں پائی اور ان کے اس قول کی وجہ سے ہم حدیث کو موضوع کہہ دیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کسی نے سند نہیں بیان کی تو ہم جواب دیں گے کہ یہ کام تو احکام کے باب میں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں کیا ہے، جنھیں تعلیقات بخاری کہا جاتا ہے ، رہا یہ کہ امام بخاری کی تعلیقات کی سند مل گئی ہے اور ان کی کہیں سند نہیں ملی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں نہیں ملی یا اس کی سند ہی نہیں رہی ہوگی۔ ہاں! ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک مجہول ومنقطع ہے اور مجہول کی روایت کردہ حدیث کو ضعیف کہیں گے نہ کہ موضوع۔

۳۔موضوع (یہ حدیث موضوع ہے۔)

اس کلمے سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بلکہ جھوٹی اور گڑھی ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کی طرف تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے موضوع ہونے کے لیے سند میں کذاب راوی کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ قرائن اور علامات کی بنیاد پر ائمہ حدیث وضع اور بطلان کا حکم لگاتے ہیں جیسے: من صلی بِاللَّيۡلِ حسن وَجهه بِالنَّهَارِ۔ (جو رات میں نماز ادا کرتا ہے اس کا چہرہ دن میں تاباں وروشن رہتا ہے۔) اس حدیث کو ثابت بن موسی نے شریک سے، وہ اعمش سے، وہ ابوسفیان سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کی ہے ان میں سے ہر ایک ثقہ ہیں پھر بھی یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ ثابت بن موسی شریک سے ملنے آئے، وہ درس حدیث دے رہے تھے، شریک نے سند حدیث کی تلاوت کی، اسی وقت ان کی نظر ثابت پر پڑی، ثابت کا چہرہ چمک رہا تھا، بے ساختہ زبان پر یہ جملہ جاری ہوا کہ جو رات میں نماز ادا کرتا ہے اس کا چہرہ دن میں تاباں وروشن رہتا ہے۔ ثابت کو وہم ہوا کہ یہ حدیث ہی بیان کر رہے ہیں، انھوں نے دوسروں سے شریک کے کلام کو حدیث رسول کہہ کر بیان کر دیا، اس طرح ثابت کے ثقہ ہونے کے باوجود حدیث کو موضوع قرار دیا گیا۔

(النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی، ۲ج:ص:۲۹۲)

واضح رہے کہ شریک کا کلام درست ہے، اگر چہ حدیث نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس کے حدیث ہونے یا نہ ہونے میں علما کا بھی اختلاف ہے۔

اسی طرح راوی کے کذاب اور جھوٹے ہونے کے باوجود حدیث کا موضوع ہونا ضروری نہیں، کیونکہ کبھی کبھی جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، عراقی نے کہا:

فَلاَ يلزمُ مِنۡ وُجودِ كذّابٍ فى السندِ أنۡ يكونَ الحديثُ موضوعاً، إذ مطلقُ كذبِ الرّاوِى لا يدلُّ عَلَى الوضعِ، إلا أنۡ يعترفَ بوضعِ هَذَا الحديثِ بعينِهِ، أو ما يقومُ مقامَ اعترافِهِ عَلَى ما ستقفُ عَلَيۡهِ۔

(شرح التبصرة والتذكرة ألفية العراقي، ۱ج:ص:۳۰۷)

اس کی تفصیلی بحث ماہنامہ خضر راہ شمارہ اکتوبر ۲۰۱۳ بعنوان ’’جھوٹے راوی کے سبب حدیث کے موضوع ہونے کا مسئلہ‘‘ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ كَذِب (یہ حدیث جھوٹ ہے)

یہ کلمہ، مذکورہ کلمہ 'موضوع' کے ہم معنی ہے۔اس میں بھی ان ہی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

۵۔ باطل (یہ حدیث باطل ہے)

یہ کلمہ بھی مذکورہ کلمہ ''موضوع'' کے ہم معنی ہے لیکن ان دونوں میں ایک باریک فرق ہے جسے معلمی نے الفوائد المجموعة کے مقدمے میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

جب ناقد حدیث کے نزدیک غلبۂ ظن کے ذریعے اس بات پر دلیل قائم ہوجائے کہ اس حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا غلط ہے تو وہ اس حدیث کو موضوع یا باطل کہتے ہیں، دونوں لفظ کا معنی یہی نکلتا ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہے، خواہ یہ جھوٹ جان بوجھ کر بولا گیا ہو یا انجانے میں۔لیکن دوسرا لفظ یعنی موضوع سے ذہن جس معنی کی طرف جاتا ہے وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولنا ہے اگرچہ اس کا لحاظ کتب موضوعات کے مصنفین نے نہیں رکھا ہے بلکہ وہ لوگ اس لفظ کو اس وقت استعمال کرتے ہیں جب ان کے پاس اس بات پر دلیل قائم ہوجاتی ہے کہ اس حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی ہے اگرچہ ظاہر یہی ہو کہ یہ جھوٹ جان بوجھ کر نہیں بولا گیا ہو۔

(اور پہلا لفظ باطل اس وقت بولا جاتا ہے جب) کبھی حدیث کی بطلان پر دلائل موجود ہوتے ہیں، اگرچہ وہ راوی جس کی وجہ سے ناقد، حدیث کو معلل قرار دے رہا ہے، اس پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی تہمت نہ ہو، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ راوی صدوق اور فاضل ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ ناقد قوی دلیل سے یہ سمجھتا ہے کہ راوی سے غلطی ہوئی ہے یا پھر کسی حدیث یا کسی شخص کا کلام دوسری حدیث میں مل گیا ہے۔

معلمی کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ موضوع جان بوجھ کر گڑھی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں جب کہ باطل ؛ مفہوم و معنی کے اعتبار سے غلط متن یا حدیث کو کہتے ہیں اگرچہ راوی، صدوق یا صالح ہو۔

۶۔لا یصح یا لم یصح یا لیس بصحیح (یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔)

اسی کے مثل یہ بھی کلمات ہیں: لا یثبُتُ، لم یثبُت، لیس بثابتٍ، غیر ثابت، لم یثبُتْ فیہ شیء۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں: وَبَین قَوْلنَا لم یَصح وَقَوْلنَا مَوْضُوع بون کَبِیر فَإِن الْوَضع إِثْبَات الْكَذِب والاختلاق وَقَوْلنَا لَا یَصح لَا یلْزم مِنْهُ إِثْبَات الْعَدَم وَإِنَّمَا هُوَ إِخْبَار عَن عدم الثُّبُوت۔

(النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی، ج: ۲، ص: ۲۸۳)

لم یصح (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) اور ''موضوع'' (یہ حدیث موضوع ہے) کے درمیان بہت فرق ہے، کیونکہ وضع، کذب وافترا کو ثابت کرتا ہے لم یصح سے حدیث کی نفی یعنی موضوع ہونے کا ثبوت لازم نہیں آتا ہے بلکہ یہ کلمہ ثبوت (یعنی صحیح) کی نفی کرتا ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یعنی لم یصح سے صحت اصطلاحی کی نفی ہوتی ہے جس سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ حدیث کے حسن و ضعیف ہونے کا امکان باقی رہتا ہے، ہاں اگر لم یصح سے صحت لغوی کی نفی مراد ہو تو اس سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہوگا۔

لیکن ان کلمات کے معانی کے سلسلے میں مُسنِد اَوحَد ابن ہِمّات دمشقی، زاہد کوثری اور ان کے شاگرد عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ ضعفا و متروکین یا موضوعات

کی کتابوں میں ہوں تو ان سے مراد صحت لغوی یا ثبوت لغوی کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ باطل ہے، یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بلکہ موضوع اور گڑھی ہوئی ہے اور اگر یہ کلمات احکام کی کتابوں میں ہیں تو ان سے مراد صحت اصطلاحی کی نفی ہے یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ حسن یا ضعیف ہے۔

(مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع از عبد الفتاح ابوغدہ)

۷۔ ساقط مطروح

علامہ ذہبی حدیث موضوع کے مراتب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موضوع کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جسے اکثر لوگ موضوع کہتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ اس کی تعبیر یہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث ساقط مطروح (یعنی اصل سے دور) ہے، ہم ایسی حدیثوں کو موضوع کہنے کی جسارت نہیں کرتے، ومنه: ما الأكثرون على أنه موضوع. والآخَرُون يقولون: هو حديثٌ ساقطٌ مطروح، ولا نجسُرُ أن نُسمّيه موضوعاً.

(الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، ص:۳۶)

خاتمہ: ان کے علاوہ بھی بہت سے الفاظ، حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانے کے لیے بولے جاتے ہیں جن میں کچھ تو وہ ہیں جو شدید ضعف کے لیے بولے جاتے ہیں مگر غلطی سے کچھ لوگ اسے موضوع کے خانے میں ڈال دیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کسی مصنف کی اپنی اصطلاح ہوتی ہے دوسرے مصنفین انھیں دوسرے معانی میں استعمال کرتے ہیں، جیسے غریب، امام زیلعی کی اپنی اصطلاح ہے وہ اس لفظ کا استعمال نصب الرایہ فی تخریج الہدایہ میں ان احادیث کے لیے کرتے ہیں جن کی اصل انھیں شرع مطہرہ میں نہیں ملتی۔ حالانکہ عام محدثین کے یہاں اس کا استعمال دوسرے معنی میں ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوا کہ صرف ان مذکورہ الفاظ وعبارات کو دیکھ کر کسی حدیث کو موضوع کہنا آسان نہیں ہے، بلکہ اس میں تحقیق اور بڑی دقت نظری کی ضرورت ہے۔

***

"شاہ صفی اکیڈمی" الہ آباد کی فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

ضیاء الرحمن علیمی

شفاعت کے تین پہلو ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴿۶۹﴾ (احزاب)

ترجمہ: موسیٰ اللہ کی بارگاہ میں وجاہت والے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۲﴾ (یونس)

ترجمہ: ذہن نشیں کرلو! اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔

پہلی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مقام ومرتبے والے ہیں۔ دوسری آیت کریمہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کو اللہ کی بارگاہ میں عزت وعظمت حاصل ہوتی ہے اور وہ عام لوگوں سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام ومرتبہ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ہوتا ہے، چنانچہ تمام انبیا واولیا، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ چوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے اور وہ اس کے محبوب ہیں، اسی لیے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی بھی ایمان والے کے حق میں دعا اور سفارش کا حق عطا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ﴿۶۲﴾ (نور)

اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت کی سفارش کیجیے۔

اس لیے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ انبیا واولیا کی شفاعت کے تین پہلو ہیں:

۱۔ شفاعت بالوجاہت

۲۔ شفاعت بالمحبت

۳۔ شفاعت بالاذن

ان تینوں شفاعتوں میں سے کوئی بھی شفاعت ایک دوسرے کے مخالف نہیں، بلکہ ان تینوں جہتوں میں سے کسی بھی جہت کی شفاعت جب بھی پائی جائے گی وہاں شفاعت کی دوسری جہتیں بھی پائی جائیں گی، مثلاً: جب شفاعت وجاہت، یا شفاعت محبت ہوگی اس وقت شفاعت اذن بھی پائی جائے گی ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ کوئی نبی یا ولی، اللہ کے اذن کے بغیر شفاعت کرے، یوں ہی جب شفاعت اذن پائی جائے گی اس وقت شفاعت وجاہت اور شفاعت محبت بھی ہوگی اور ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ شفاعت کی اجازت رب تعالیٰ کی بارگاہ سے ایسے شخص کو حاصل ہو جس کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ کوئی مقام ومرتبہ حاصل ہو اور نہ وہ اس کا محبوب ہو۔

شفاعت بالوجاہت

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی بارگاہ میں وجاہت اور مقام ومرتبے رکھنے کی وجہ سے مقام شفاعت پر فائز فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا واولیا کو اپنی بارگاہ میں قدر ومنزلت سے نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴿۴۵﴾ (آل عمران)

ترجمہ: (حضرت) عیسیٰ دنیا اور آخرت میں قدر و منزلت والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں ہوں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس آیت سے لگائیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴿۵﴾ (ضحیٰ)

ترجمہ: عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

صحیح احادیث سے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کا پتا چلتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں عرض کرتی ہیں:

مَا أَرَىٰ رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ.

(صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن)

ترجمہ: میں یہی سمجھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی رضا جوئی میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَا فَخْرَ.

(سنن ترمذی، ابواب المناقب)

ترجمہ: میں حشر کے دن تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

شفاعت بالمحبت

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اس سے محبت کی بنا پر مقام شفاعت پر فائز فرمائے اور یہ بات آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ انبیا و اولیا، اللہ کے محبوب ہیں اور خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام محبوبوں کے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴿۳﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ محسنین (مخلصین) کو محبوب رکھتا ہے۔

اور تمام انبیا و اولیا محسنین کی جماعت میں شامل ہیں، بالخصوص ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام محسنین کے پیشوا ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بالعموم اس کی بارگاہ میں محبوبیت کا کون سا مقام حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگائیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ. (سنن ترمذی، باب مناقب البراء بن مالک)

ترجمہ: بہت سے گرد آلود بالوں والے جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہو اور جنھیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو وہ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری کرے۔

شفاعت بالاذن

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے کو اجازت عطا کر کے مقام شفاعت پر فائز فرمائے، کیوں کہ اس کی بارگاہ میں مقرب و محبوب تمام بندے جن کو بھی شفاعت کا اختیار حاصل ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی

اجازت سے حاصل ہوگا،اس کی رضا اور اس کی تائید کے بغیر کسی بھی بندے کی طرف سے شفاعت کا عقیدہ رکھنا گمراہی ہے اوراس کے اذن واجازت سے شفاعت کرنا قرآن کریم اوراحادیث کریمہ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهٗ الرَّحۡمٰنُ (سبا)

ترجمہ:اس کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت کام نہیں آئے گی سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ نے خود اس کی اجازت دے دی ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت حاصل ہوچکی ہے، چنانچہ انبیاواولیا دنیا میں بھی بارگاہ الٰہی میں دعا کے ذریعے اپنی امت کے حق میں سفارش کرتے ہیں، البتہ قیامت کے دن اس اذن کا ظہوراس طور پر بھی ہوگا کہ ان کواس روز اذن کلام عطا کیا جائے گا اوروہ کہیں گے کہ: مولیٰ!میری امت کے فلاں فرد، یافلاں طبقے کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔

شفاعت جبر نہیں

مومنین پر یہ عقیدہ واضح ہونا چاہیے کہ شفاعت کا اسلامی مفہوم دنیا داروں کی شفاعت کی طرح نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی مقام ومرتبے والا، اگرکسی دوسرے مقام ومرتبے والے سے کسی بات کی سفارش کرتا ہے توکبھی کبھی مجبوراً بھی اسے سفارش سننی پڑتی ہے اورسفارش نہ سننے کی صورت میں اسے نقصان کا بھی خطرہ رہتا ہے، اسلامی مفہوم کے مطابق شفاعت میں نہ جبر ہے اورنقصان کا خدشہ، ایسا نہیں ہے کہ کسی بندے کی طرف سے شفاعت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کوقبول کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے بلکہ اگر وہ شفاعت نہ بھی قبول کرے تب بھی اسے نقصان کا کوئی خدشہ نہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے مقرب محبوب بندوں کی لاج رکھتا ہے اوران کی شفاعت مومنین کے حق میں قبول فرماتا ہے۔

***

ماہنامہ خضر راہ
کے نئے قارئین کے لیے
ایک خوشخبری
خوبصورت اور مضبوط جلد میں
۲۰۱۲ کے شماروں کا مجموعہ
قیمت: 300/روپے
آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:
شاہ صفی اکیڈمی
جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)
Mobiles:
+91-7860604036 / +91-9312922953

جہاں گیر حسن مصباحی

توبہ واستغفار: قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسٰی رَبُّكُمْ أَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴿۸﴾ (تحریم)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں دل سے توبہ کرو، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے اور تمھیں جنت میں داخل کردے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِیعًا أَیُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ (نور)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ کی بارگاہ میں پورے طور پر توبہ کرو، تاکہ تمھیں کامیابی ملے۔

چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ رب العزت کی مغفرت کی طرف دوڑیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مغفرت کرنے والا نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ، وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللهُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴿۱۳۶﴾ (آل عمران)

جب لوگ بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، کیوں کہ اللہ کے سوا معاف کرنے والا کوئی نہیں اور اپنے کیے پر نہ اڑیں، تو ایسے لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی جانب سے بخششیں اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

ایک خوبصورت خاتون کسی خرما بیچنے والے کے پاس آئی، تو اس خرما بیچنے والے نے اس خاتون کو اپنے سے چمٹا کر اُس کا بوسہ لے لیا۔ پھر وہ اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا اور توبہ واستغفار کی، اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اسی تعلق سے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جب کسی بندے سے کوئی گناہ ہوجائے تو وہ وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے، تو اس کی معافی ہوجاتی ہے۔ پھر مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

(تفسیر نیساپوری، تفسیر زیر آیت مذکور)

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ تو جرم ہے ہی لیکن گناہ پر اڑے رہنا اس سے کہیں بڑا جرم ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے سے اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور اپنے خاص فضل سے بھی نوازتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (بقرہ)

ترجمہ: بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم گناہ کرنے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتے ہیں، اللہ کے حدود سے باہر نکلنے کے لیے ہمیشہ بے قرار رہتے ہیں، بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں اور ہمارے دل میں ذرہ برابر بھی اللہ کا خوف نہیں ہوتا، نیک کام کرنے سے بھاگتے ہیں، سر سے پاؤں تک برائی میں ڈوبے رہتے ہیں، پھر بھی ہمیں اپنے جرم کا احساس نہیں ہوتا اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرنے کے بجائے بڑی بے حیائی سے اپنے نفس کے غلام بنے رہتے ہیں، اس لیے جب کبھی انسان سے کوئی گناہ ہوجائے تو اُسے فوراً رب کریم سے مغفرت طلب کرنا چاہیے اور اپنے کیے پر افسوس کرنے کے ساتھ توبہ بھی کرنا چاہیے تاکہ اللہ کی رضا اوراس کا قرب حاصل ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔

(سنن ترمذی، ابواب صفۃ القیامہ)

ترجمہ: ہر انسان خطاکار ہے اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس اللہ سرہٗ (۱۰۷۷ء) فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کی، اس کے بعد پھر اُس سے گناہ سرزد ہوگیا جس کی وجہ سے وہ بہت شرمسار ہوا۔ ایک دن اُس نے اپنے دل میں کہا: اگر اب میں دوبارہ توبہ کرکے درست راستہ اختیار کرلوں تو میرا حال کیا ہوگا؟

ہاتف نے آواز دی:

اَطَعْتَنَا فَشَكَرْنَاكَ ثُمَّ تَرَكْتَنَا فَاَمْهَلْنَاكَ فَاِنْ عُدْتَ اِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ۔

ترجمہ: تونے ہماری اطاعت کی، تو ہم نے تجھے قبول کیا، پھر تونے بیوفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے مہلت دی، اب اگر توبہ کرکے ہماری طرف پلٹ آئے تو ہم پھر تجھے قبول کرلیں گے۔ (کشف المحجوب)

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ، لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ. قَالَ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُونِي۔

(مسند احمد، ابوسعید خدری)

ترجمہ: شیطان نے بارگاہ الٰہی میں کہا: یا اللہ مجھے تیری عزت کی قسم! تیرے بندوں کو میں اس وقت تک بھٹکاتا رہوں گا جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں باقی رہیں گی، یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں انھیں معاف کرتا رہوں گا۔

توبہ اور استغفار کرنے سے دل کے تمام طرح کے میل کچیل صاف ہوجاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ لِلْقُلُوْبِ صَدَأً كَصَدَأِ الْحَدِيْدِ وَجَلَاؤُهَا الاسْتِغْفَارُ۔

(معجم صغیر، من اسمہ عمر)

ترجمہ: واقعی لوہے کی طرح دلوں میں بھی زنگ ہوتا ہے، اس کی جلا (پالش) استغفار ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ۔

(سنن ابن ماجہ، باب ذکر التوبہ)

ترجمہ: دل سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا مِنْ رَجُلٍ یُذْنِبُ ذَنْبًا، ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَھَّرُ، ثُمَّ یُصَلِّیْ، ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ۔

(سنن ترمذی، الصلاۃ عند التوبہ)

ترجمہ: اگر کوئی شخص گناہ کرے تو اٹھے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ اُسے معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوالحسن بوشنجہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْبَۃُ اِذَا ذَکَرْتَ الذَّنْبَ ثُمَّ لَا تَجِدَ حَلَاوَۃً عِنْدِ ذِکْرِہٖ فَھُوَ التَّوْبَۃُ۔

ترجمہ: توبہ یہ ہے کہ جب تم گناہ کو یاد کرو تو اس کی یاد میں تمھیں لذت وسرور نہ معلوم ہو، تو ایسی توبہ صحیح ہے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

تَوْبَۃُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَتَوْبَۃُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَۃِ۔

ترجمہ: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔

حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام ظلہ علینا فرماتے ہیں کہ: کافر ومشرک کی توبہ کفر وشرک سے ایمان کی طرف آنا ہے اور مومن کی توبہ فسق وفجور سے نیکی کی طرف۔ خواص کی توبہ غفلت سے ذکر کی طرف آنا ہے اور اخص الخواص کی توبہ مقام قرب سے اقربیت کی طرف۔

گویا توبہ بندے کے درجات ومراتب کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس تعلق سے کچھ مثالیں پیش ہیں:

✶ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا﴿۱۱۵﴾ (سورۂ طہٰ)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔

یعنی حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے جان بوجھ کر اللہ کے تاکیدی حکم کے خلاف عمل نہیں کیا بلکہ بھول سے ایسا ہو گیا اور جو کام کسی انسان سے بھول چوک میں ہو جائے وہ جرم میں شمار نہیں ہوتا، جیسے روزے کے حالت میں کھانا پینا سخت منع ہے، کیوں کہ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اگر کوئی روزہ دار بھول کر کھانا کھالے تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ یا اس پر کسی قسم کا کوئی کفارہ واجب ہوگا؟ نہیں!

ہاں! اتنا ضرور ہوگا کہ جب اسے معلوم ہوگا کہ وہ روزے سے تھا تو اُسے یقیناً شرمندگی ہوگی اور اللہ کی بارگاہ میں وہ اپنے طور پر معافی کا طلب گار ہوگا، چنانچہ جب حضرت آدم کو اپنی بھول کا احساس ہوا تو وہ فوراً اپنے رب کی بارگاہ میں مغفرت کے طالب ہوئے اور یوں عرض کی کہ: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴿۲۳﴾ (اعراف)

ترجمہ: اے رب! ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوں گے۔

یہ آدمیت کا بلند مقام ہے کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو، صرف

بھول ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار اور شرمندگی کا اظہار کیا جائے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہم گناہ کر کے بھی توبہ نہیں کرتے اور جرم کر کے بھی اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتے، بلکہ حد تو یہ ہے کہ ہمیں اس کا ذرہ برابر احساس بھی نہیں ہوتا۔

✶ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴿۲۴﴾ (سورۂ یوسف)

ترجمہ: بے شک زلیخا نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف نے بھی زلیخا کا ارادہ کرلیا ہوتا اگر وہ اپنے رب کی دلیل اور برہان نہ دیکھ لیتے۔

اس آیت کریمہ میں هَمَّ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی کسی روزہ دار کے سامنے شربت بنائے اور پئے تو وہ روزہ دار پینے کا ارادہ تو نہ کرے لیکن اس کو شربت کی مٹھاس اور تراوٹ کا ہلکا سا احساس ہو، چنانچہ حضرت یوسف کے دل میں اس قدر بھی زلیخا کا خیال نہ آیا پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ (یوسف)

ترجمہ: میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا، بے شک نفس تو بُرائی کا زیادہ حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ مقام یوسفی ہے کہ گناہ کا ہلکا سا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہو، پھر بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنے کو مجرم ٹھہرا کر توبہ کی جائے۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن سے کوئی گناہ سرزد ہونا تو دور کی بات ہے، بلکہ کبھی اس کا شائبہ تک نہیں ہوا، پھر بھی آپ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں روزانہ ستر ستر بار توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ اس تعلق سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (بخاری، استغفار النبی)

ترجمہ: واللہ! میں روزانہ ستر بار اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

یہ مقام محمدی ہے کہ ہر طرح کی بھول، گناہ اور عیب سے پاک ہو، پھر بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ واستغفار کیا جائے۔

چنانچہ ہم مسلمان اگرچہ توبہ کے ان تینوں درجات کو نہیں پا سکتے لیکن کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنے گناہوں کا احساس کریں، اس پر شرمندہ ہوں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں تاکہ ہم دنیا وآخرت میں کامیاب وکامراں رہیں۔

✶✶✶

کنجوس ترین انسان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ لوگوں میں سے کنجوس ترین انسان ہے۔ (الترہیب والترغیب)

امام الدین سعیدی

صبر کی حقیقت

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۵۳﴾(بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴿۱۲۷﴾(نحل)

صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا صرف اللہ کے ساتھ ہو۔

صبر کے تعلق سے مشائخ کے اقوال

حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

ھُوَ تَجَرُّعُ الْمَرَارَۃِ مِنْ غَیْرِ تَعْبِیْسٍ۔

ترجمہ: رضا ورغبت کے ساتھ کڑوا گھونٹ پینا صبر ہے۔

حضرت ابن عطا فرماتے ہیں:

اَلصَّبْرُ: اَلْوُقُوْفُ مَعَ الْبَلَاءِ بِحُسْنِ الْاَدَبِ۔

ترجمہ: حسن ادب کے ساتھ مصیبت کا سامنا کرنا صبر ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۸۴)

حضرت عمرو بن عثمان علیہما الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

ھُوَ الثَّبَاتُ مَعَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَتَلَقّٰی بَلَائَہٗ بِالرَّحْبِ وَالدَّعَۃِ۔

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا پر ثابت قدم رہنا اور اس کی آزمائش کا خندہ پیشانی سے سامنا کرنا صبر ہے۔

حضرت رویم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلصَّبْرُ تَرْکُ الشِّکْوٰی۔

ترجمہ: شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ھُوَ الْاِسْتِعَانَۃُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا نام صبر ہے۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۸۵)

حضرت امام غزالی قدس اللہ سرہٗ صبر کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَالصَّبْرُ عِبَارَۃٌ عَنْ ثَبَاتِ بَاعِثِ الدِّیْنِ فِیْ مُقَابَلَۃِ بَاعِثِ الشَّھْوَۃِ۔

ترجمہ: نفسانی خواہشات کے مقابلے میں دینی تقاضے پر جمے رہنے کا نام صبر ہے۔ (احیاء العلوم، ج:۴، ص:۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب شہوات کے تقاضے اور دینی تقاضے باہم جمع ہو جائیں، دونوں میں کشاکشی ہو، شیطان شہوت کے جذبات بھڑکائے اور غیبی تائید کے ذریعے دینی جذبات متحرک ہوں، تو اس کشمکش کی کیفیت میں دین اور اللہ کی مرضی پر قائم رہنا اور شہوات کو مغلوب کر دینا صبر کہلاتا ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: اگر وہ دینی مطالبے پر ثابت قدم رہے اور شہوات کی مخالفت پر ہمیشہ آمادہ رہے تو وہ حزب اللہ کی مدد کرے گا اور اس کا شمار صابروں کی جماعت میں ہوگا۔

اگر کہیں کمزور و ہلکا پڑ گیا اور شہوت نے اسے مغلوب کر دیا تو وہ شیطان کے پیروکاروں میں شامل ہوجائے گا۔ دینی مطالبے پر ثابت رہنا اس بات کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے کہ شہوتیں جو نفس و شیطان کی تحریک سے پیدا ہوتی ہیں یہ سب دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے رکاوٹیں ہیں اور راہ مولیٰ کے راہزن اور دشمن ہیں، جتنا زیادہ اس بات کا یقین حاصل ہوگا اسی قدر دینی جذبات قوی ہوں گے، اس کے اندر استقامت پیدا ہوگی، جب استقامت حاصل ہوجائے گی تو اب اس کے افعال وحرکات خلاف شہوت صادر ہوں گے۔

(تلخیص از احیاء العلوم، ج:۴،ص:۷)

صبر کے درجات شمار کراتے ہوئے امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ صابرین کے تین درجے ہیں:

۱۔شہوت کو چھوڑنا، یہ توبہ کرنے والوں کا درجہ ہے۔

۲۔تقدیر پر راضی رہنا، یہ زاہدوں کا درجہ ہے۔

۳۔اللہ تبارک وتعالیٰ جو بھی اس کے ساتھ کرے اس کو محبوب جاننا، یہ صدیقین کا مقام ہے۔(ایضا،ص:۱۱)

صبر کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟

امام غزالی قدس اللہ سرہٗ نے اس تعلق سے ایک تفصیلی باب باندھا ہے اس کے کچھ اہم گوشوں کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بندے کی زندگی میں جو حالات پیش آتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، یا تو ایسے حالات ہوتے ہیں جو اس کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں یا وہ حالات ہوتے ہیں جو اس کی مرضی کے ناموافق ہوتے ہیں دونوں حالتوں میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے:

پہلی قسم جس میں انسان کے حالات اس کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتے ہیں، جیسے صحت وتندرستی، دنیاوی مال ومتاع، عیش وعشرت کی چیزوں کا اس کے پاس ذخیرہ ہو اور وہ خوشحال ہو، ایسی حالت میں صبر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ان دنیاوی لذتوں میں خود کو غرق کرنے سے روکے اور نفس کو اس میں بے لگام نہ چھوڑے، اگرچہ وہ مباح ہی کیوں نہ ہوں، نہیں تو اس کے اندر اتراہٹ اور سرکشی پیدا ہونے لگے گی جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ (علق)

ترجمہ: بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے، اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو غنی (بے نیاز) سمجھ لیا ہے۔

اور بعض عارفین کا قول ہے کہ مصیبت میں عام مومن صبر کرتا ہے مگر راحت وعافیت میں صرف صدیق صبر کرتا ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ عافیت میں صبر کرنا مصیبت میں صبر کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ جب صحابہ کرام کے پاس دنیاوی مال و دولت کی نعمتیں آنے لگیں تو وہ کہنے لگے ہمیں جب فقر وفاقہ کی بلا سے آزمایا گیا تو ہم نے صبر کر لیا مگر جب ہمیں خوشحالی میسر ہوئی تو ہم صبر کا مظاہرہ نہیں کر پائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (منافقون)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد

تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

لہٰذا مرد کامل وہی ہے جو عافیت و آرام کی حالت میں صبر کرے اس حالت میں صبر کا مطلب یہی ہے کہ عیش و آرام اور لذات کی چیزوں میں رغبت نہ رکھے، بس یہ خیال کرے کہ یہ سب چند روزہ راحتیں ہیں بہت جلد ختم ہو جانے والی ہیں، ان میں حقیقی تسکین نہیں ہے بلکہ جو بھی نعمتیں ہیں ان سے حقوق اللہ ادا کرے، مثلاً: دولت و سرمایہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، بدن کو اس کی طاعت اور لوگوں کی مدد میں لگائے، زبان سے سچ بول کر اس کا حق ادا کرے۔

(تلخیص از احیاء العلوم عربی، ج:۴، ص:۱۲)

دوسری قسم کی حالت میں صبر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی مرضی کے خلاف جو حالتیں پیدا ہوں ان کو برداشت کرے، جیسے جانی نقصان، مالی نقصان، فقر و فاقہ وغیرہ۔

اس کی طرف اللہ رب العزت نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴿۱۵۵﴾ (بقرہ)

ترجمہ: ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے خوف اور بھوک دے کر، مالوں میں، جانوں میں اور پھلوں میں نقصان پہنچا کر، اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام و طاعات پر صبر کرے اور ان پر جم جائے اور نفس کی مخالفت کرے، قرآن کریم میں ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴿۴۸﴾ (طور)

ترجمہ: اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، بے شک تم ہماری نگرانی میں ہو۔

دوسروں کی تکلیف دہ باتوں کو برداشت کرنا اور اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کرنا، یہ بھی صبر ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴿۱۰﴾

(سورۂ مزمل)

ترجمہ: جو وہ بولتے ہیں ان پر صبر کیجئے اور ان کو بہتر انداز سے چھوڑ دیجئے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہٗ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں صبر تین طرح کے ہیں:

۱۔ فرائض کی ادائیگی پر صبر کرنا جس کے بدلے تین سو درجے ہیں۔

۲۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے صبر کرنا جس کے بدلے چھ سو درجے ہیں۔

۳۔ پہلے صدمے کے وقت مصیبت پر صبر کرنا، اس کے بدلے نو سو درجے ہیں۔ (احیاء العلوم، ج:۴، ص:۱۵)

٭٭٭

ماہنامہ خضر راہ الہ آباد کا
پانچ سالہ ممبر بنیں
صرف -/900 روپے میں

سید قمر الاسلام

چھ انمول رتن

زندگی اللہ کی دی ہوئی امانت ہے۔اس کا صحیح استعمال تمام بندوں پر واجب ہے۔انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو اور ساداتِ صوفیا نے اپنے احباب کو اسی کی تعلیم و تلقین کی۔ انسان کے اندر اس امانت کی اہمیت کا علم وادراک کیوں کر پیدا ہو اور پھر اس کے بہتر استعمال کے لیے احساس کیسے جاگے؟ یہ بجائے خود ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہمارے مشائخ کی تعلیمات وہدایات میں اس کا مکمل حل موجود ہے، جو صحیح معنوں میں قرآن وسنت کے مبلغ بھی تھے اور عملی پیکر بھی۔ جنھوں نے ہر زمانے کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں آفتاب و ماہتاب کا کام انجام دیا۔ ان کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم ''لطائف ستہ'' ہے جس پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی شخص اللہ کی رضا حاصل کر سکتا ہے اور دائمی سعادتوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ ان لطائف کی تعلیم ہم نے اپنے شیخ سے حاصل کی۔ آج کی صحبت میں ہم قرآن کے آئینے میں ان ہی لطائف ستہ کو پیش کرتے ہیں۔

● **معاہدہ:** یعنی عہد و پیمان، کس سے؟ اللہ سے، جو انسان کا خالق بھی ہے اور اس کا رب بھی۔ جس وقت، جس کسی بندے کو، جس کسی جگہ پر جو بھی ضرورت پیش آتی ہے، اللہ اسے پورا فرماتا ہے۔ اس کے بدلے اس نے ہر شخص سے یہ وعدہ لیا ہے کہ وہ اس کے احکام کو دل وجان سے تسلیم کرے اور کائنات کی ہر شے سے زیادہ اس سے محبت رکھے۔ کیا اللہ کے ناقابل شمار اور پے در پے احسانات اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ بندہ ہر وقت اس کی رضا کا متلاشی رہے، اس کے ہر حکم کو بسر وچشم قبول کرے اور اپنی زندگی کی ہر صبح کا آغاز اس پیمانِ وفا کو یاد کرتے ہوئے کرے اور جب یہ ایمانی وعدہ دل ودماغ پر طاری ہو جائے، اس وقت قرآن کی یہ آیت پیش نظر رکھے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۞ (مائدہ)

اے ایمان والو! وعدوں کو ان کے انجام تک پہنچاؤ۔

● **مجاہدہ:** صرف بڑے بڑے وعدے کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس کوشش کو ہی صوفیا نے مجاہدہ سے تعبیر کیا ہے، یہ قرآنی اصطلاح ہے۔ جس طرح دنیوی معاملات میں مشق وممارست اور عمل پیہم کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تک رسائی کا حصول بھی اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان خود کو اس کی رضا کے کاموں میں مشغول رکھے اور منع کی ہوئی چیزوں سے باز رہے۔ اللہ تک پہنچنے کا یہی واحد راستہ ہے، اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں، وہ انسان کے خود ساختہ ہیں، اس قسم کے تمام راستے عبرت ناک انجام کو پہنچانے والے ہیں۔ ہر وقت ہر بندے سے اللہ کو یہی مطلوب ہے کہ وہ اس وعدے کو وفا کرنے کے لیے جاں توڑ کوشش کرتا رہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۞ (حج)

اے بندو! اللہ کی راہ میں خوب ڈٹ کر مجاہدہ کرو۔

ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کی گئی ادنیٰ سی کوشش بھی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہر مجاہد کے لیے رحمت

الٰہی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

اللہ رب العالمین فرماتا ہے: وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴿۶۹﴾ (عنکبوت)

ترجمہ: جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدے کریں گے، ضرور ہم اپنے راستوں کو ان پر کشادہ کردیں گے۔

مذاکرہ: انجان راستے کا تنہا مسافر ہلاکت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ کبھی وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے تو کبھی نشانِ راہ ہی کو بھلا دیتا ہے اور کبھی ریت کے چمکتے ڈھیر ہی کو منزل سمجھ بیٹھتا ہے۔ یہی مثال اس شخص کی بھی ہے جو تن تنہا رب کے راستے میں چل پڑے، نہ کوئی مرشد ہو اس کا اور نہ کوئی رہ نما۔ منزل مقصود تک ایسے شخص کی رسائی ہمیشہ مشکوک ہوتی ہے اور یہ طرز عمل قرآن کے مطابق بھی نہیں ہے۔ قرآن کے مطابق ایسے انسان کے لیے ایک مذکر اور ہادی کی ضرورت ہے جو اس کی رہ نمائی کرے اور اس وعدے کو بار بار یاد بھی دلائے جس میں انسانی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ (ذاریات)

ترجمہ: آپ بار بار ان کو نصیحت کیجیے، کیونکہ یہ عمل اہل ایمان کے حق میں فائدہ مند ہے۔

مذاکرہ سوکھی رگوں کو تازہ خون فراہم کرتا ہے، جب کہ صالحین کی صحبت خون میں پھیل جانے والے زہر کے لیے تریاق کا کام دیتی ہے، اسی لیے مذاکرے کے علاوہ اللہ کے ان پاک بندوں کی صحبت و زیارت بھی لازم ہے، جو بارگاہ الٰہی کے لیے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کے کوچے کی خاک اٹھانا بھی گناہ کے عادی لوگوں کے لیے اکسیرِ اعظم ہے۔ جنھوں نے اپنے آپ کو صبح و شام یادِ الٰہی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ ﴿۲۸﴾ (کہف)

ترجمہ: صبر کے ساتھ ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

جن کے ذکر کی کوئی حد نہیں ہوتی بلکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ: الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴿۱۹۱﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اٹھتے بیٹھتے اور اپنے بستروں پر بھی ذکر الٰہی کرتے رہتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

● **محاسبہ:** جب بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چل پڑے، اس راہ میں اپنا کوئی مذکر بھی بنا لے اور قرب الٰہی کے مقامات و منازل کو طے کرنا شروع کردے تو اس کے لیے بشری بنیادوں پر ہونے والی غلطیوں کا محاسبہ بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴿۱۸﴾ (حشر)

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور تم میں سے ہر شخص کو غور کرتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔

ہر انسان کے پاس عقل کی شکل میں اللہ نے ایک محتسب دیا ہے جو نفع و نقصان سے اس کو آگاہ کرتی ہے اور اس عقل کو جب نور ہدایت مل جاتا ہے، تو وہ انسان کو یہ بھی بتانے لگتی ہے کہ کس کام کے کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور کون سا کام اللہ کے غضب کا سبب ہے۔ لہٰذا رضائے الٰہی کے معاملے میں بھی ہر وقت اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے، یا کم از کم رات کو سوتے وقت دن بھر کے اعمال پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہیے۔ جس طرح ایک تاجر ہر روز شام میں دن بھر کے کاروبار کا حساب لگاتا ہے۔

● مراجعہ: انبیا و مرسلین کے علاوہ اس زمین پر کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ گناہوں سے مکمل طور پر معصوم ہے۔ کوئی نہ کوئی خطا انسان سے سرزد ہوتی رہتی ہے، اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ محاسبے کے بعد وہ ہر وقت اپنے خالق و مالک کی طرف مراجعت کرتا رہے، اپنی خطاؤں کے لیے اس کی بارگاہ میں بخشش طلب کرتا رہے۔ صبح میں گناہوں سے بچنے اور احکام ربانی کی اتباع کا جو معاہدہ کیا تھا اور محاسبے کے بعد جو کمی رہ گئی ہو، اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں مراجعت کرے، اس سے معافی مانگے اور آئندہ اس کی تلافی کی کوشش بھی کرتا رہے۔ اللہ نے قرآن میں مراجعت، توبہ اور استغفار کو اہل تقویٰ کی پہچان کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ان لوگوں سے جب کوئی برا کام سرزد ہو جاتا ہے یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً انھیں اللہ کی یاد آجاتی ہے اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے اور وہ جان بوجھ کر گناہوں پر اڑے نہیں رہتے۔

● مراقبہ یا مشاہدہ: جو بھی انسان معاہدے کی تکمیل کے لیے مجاہدہ کرے گا اور مذاکرے کے ذریعے اللہ کی یاد کو دل و دماغ میں بسانے کے لیے کسی مرشد کو اس عمل میں شریک بنالے گا اور پھر اپنی تمام سرگرمیوں کا محاسبہ بھی کرتا رہے تو اس انسان کو اللہ تعالیٰ مشاہدے یا کم از کم مراقبے کی دولت سے ضرور نوازے گا، کیوں کہ زندگی کی تمام تگ و دو اور کوشش کا حاصل اللہ کا دیدار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل میں عبادت کے دو درجات بیان فرمائے ہیں:

أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ (بخاری، کتاب الایمان)

ترجمہ: اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو ذہن نشین رکھو کہ اللہ ہر وقت تم کو دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث کو دو رکعت کی نمازوں تک محدود کر دینا ظلم ہے۔ اس کا ایک وسیع معنی ہے جو پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ اپنے ہر عمل میں اور ہر کوشش میں انسان کو چاہیے کہ وہ اس بات کا تصور کرے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ بالخصوص رات میں اپنے دن بھر کے اعمال کا احتساب اور استغفار کرنے کے بعد اللہ کا تصور کرے۔ اس کے انعامات کو یاد کرے اور اس کثرت کے ساتھ اس تصور کو لائے کہ اس کی خوشبو سے دل و دماغ مہک اٹھے۔ اس تصور کو اپنے وجود میں بسا کر سونے والا کتنا مبارک انسان ہوگا؟

ساداتِ صوفیا کے یہاں ان اصول کی بڑی اہمیت ہے۔ صبح سے لے کر شام تک کے اوقات اس قدر منظم کر دیے گئے ہیں کہ انسان کسی بھی پل ذکر و فکر سے الگ نہیں ہو پاتا۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے وہ خود کو رضائے مولیٰ کے سلسلے میں جانچنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کس قدر سعادت کی بات ہے کہ انسان دوسروں کے بارے میں کرید اور تجسس (ٹوہ) کے بجائے ہر وقت اپنے عیوب پر نظر رکھے اور اصلاح حال کے لیے کوشاں رہے۔

✲✲✲

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کی دو فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكية

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

● حضرت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

اس متن تصوف کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلوپیڈیا اور سالکین وطالبین

کے لیے دستور العمل ہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی صاحب نے اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مکمل کرلیا ہے

جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق وتخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

اختر تابش

ایمان اور عمل صالح کے بغیر کامیابی ممکن نہیں

آج ہر شخص خواہ وہ بچہ ہو یا بوڑھا، جوان ہو یا کمزور، ہر کوئی اسی فراق میں لگا ہوا ہے کہ اس کی زندگی کامیاب اور اچھی گزرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایک انسان اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر کسی شہر یا کسی ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس کی زندگی اچھی ہو اور وہ خوش و خرم رہ سکے۔

چنانچہ قرآن کریم انسان کو یہ دعوت فکر دیتا ہے کہ اگر کسی کو اچھی زندگی گزارنا ہے اور اپنی زندگی کو کامیاب بنانا ہے تو اسے اس آیت کا مصداق بننا ہوگا اور اس آیت پر عمل پیرا ہونا پڑے گا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ﴿٩٧﴾ (نحل)

ترجمہ: ایمان کی حالت میں عمل صالح کرنے والے مرد و عورت کو ہم ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے۔

اس آیت میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو اچھی زندگی دے گا جو مومن ہو اور ساتھ ہی وہ عمل صالح کرنے والا ہو۔ گویا بہترین اور اچھی زندگی جینے کے لیے ایمان اور عمل صالح شرط ہے۔

ایمان لانے اور عمل صالح کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایمان اور عمل صالح کسے کہتے ہیں؟

چنانچہ ایمان کے تعلق سے قرآن و حدیث میں غور و فکر کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

ایمان: اللہ، اس کے رسول، اس کے فرشتے، اس کی کتاب، یوم آخرت، تقدیر اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے پر صدق دل سے یقین رکھنے اور صدق دل سے ان سب چیزوں کے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے۔

عمل صالح: ہر وہ فعل عمل صالح ہے جو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

اب اگر کسی کو بھی اچھی زندگی گزارنا ہے تو اسے ایمان کی حالت میں نیک عمل کرنا پڑے گا، اگر کوئی ایمان لانے کے بعد نیک عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ کامیابی کے لیے انسان کو ایمان و عمل دونوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اختیار کرنا ہوگا، اگر دونوں میں سے کسی میں بھی نقص پیدا ہوا تو انسان کامیابی کی منزل کو طے نہیں کر پائے گا، بلکہ وہ راستے ہی میں رہ جائے گا، اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ ان ایمان و عمل دونوں کو مکمل طور سے اختیار کرے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان جو ایمان اور نیک عمل سے خالی ہے، اس کی زندگی بھی کامیاب ترین گزر رہی ہے کہ اس کے پاس بڑے بڑے محل ہیں، بہت ساری جائدادیں ہیں اور اسے ہر طرح کے عیش و آرام کے سامان میسر ہیں، لیکن وہ انسان جو مومن ہے اور نیک عمل بھی کرتا ہے، اس کی زندگی اچھی نہیں گزرتی، بلکہ وہ طرح طرح کی پریشانیوں

میں مبتلا رہتا ہے۔حالانکہ اس کی زندگی اچھی گزرنی چاہیے۔
تو آپ یہ جان لیں کہ اگرچہ ظاہر میں لگ رہا ہے کہ اس کی زندگی اچھی گزر رہی ہے لیکن حقیقت میں پوچھا جائے تو اس کا دل مطمئن نہیں ہوگا، نیز اس کی کامیابی صرف اسی دنیا تک ہے، جب کہ مومن اور عمل صالح کرنے والا بظاہر پریشانی میں ہے مگر آخرت میں اس کی زندگی کامیاب اور کامران ہوگی، جو اصل زندگی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (عنکبوت)
ترجمہ: یہ دنیا تو صرف کھیل کود ہے اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اگر لوگ جانتے۔
اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص کامیاب ہے جس نے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشقت کی زندگی گزاری اور جس شخص کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں اس کی زندگی اگرچہ دنیا میں اچھی گزری مگر آخرت میں وہ نامراد ہوگا، کیوں کہ ایک اللہ پر ایمان لایا اور اس کے خوف سے عمل صالح کیا جب کہ ایک اللہ پر نہ ایمان لایا اور نہ ہی اس نے کوئی نیک کام کیا۔
یہاں پر اس آیت کریمہ سے یہی بتانا مقصود ہے کہ انسان جب اس آیت پر عمل پیرا ہو جائے گا تو اس کی آخرت اور دنیا دونوں سنور جائے گی۔
اور دنیاوی عیش و آرام کی کوئی حیثیت اس لیے بھی نہیں ہے کہ یہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے، فنا ہو جانے والی ہے، جب کہ آخرت کی زندگی باقی رہنے والی ہے اور یہ فطرت ہے کہ انسان مضبوط اور دائمی چیز کو پسند کرتا ہے کمزور اور ناپائیدار چیز کو نہیں پسند کرتا تو انسان کو اپنی آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیے جو مضبوط اور دائمی ہے، بلکہ اصل زندگی، آخرت کی زندگی ہے اور یہاں یہی بتانا مقصود ہے کہ انسان اس فانی دنیا کو ترک کر کے باقی رہنے والی دنیا کی تیاری کرے اور اس زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش میں مشغول رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (رحمن)
ترجمہ: دنیا کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔
اور حقیقت میں گھر تو آخرت کا گھر ہے اور یہ دنیاوی گھر تو مسافر خانہ ہے اور مسافر خانے میں زیادہ دیر تک کوئی نہیں ٹھہرتا، بلکہ کچھ لمحے کے لیے ٹھہرتا ہے اور پھر اپنے گھر کی جانب لوٹ آتا ہے، اس لیے اس دنیا میں انسان کو ایک مسافر کی طرح زندگی گزارنا چاہیے اور آخرت کی اصلی زندگی کی تیاری کرنا چاہیے کہ نہ جانے کب موت کا بلاوا آجائے کہ اس کا تو ایک وقت مقرر ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ (اعراف)
ترجمہ: ہر امت کے لیے موت ہے پس جب ان کی موت آئے گی تو نہ ایک لمحہ تاخیر ہوگی اور نہ ایک لمحہ پہلے ہوگی۔
سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی جھونپڑی کی دیوار درست کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ادھر سے ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

عمر! یہ کیا کر رہے ہو؟

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

یا رسول اللہ! اپنی جھونپڑی کی دیوار درست کر رہا ہوں۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس سے پہلے موت کی تیاری کرو۔

لیکن آج کے حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ لوگوں کو بارہا یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ نیک عمل کریں، دنیا سے دل نہ لگائیں، دنیا کچھ کام نہیں آئے گی، صرف آخرت کی زندگی کام دے گی اور وہاں ایمان کے ساتھ نیک عمل کے سوا کچھ کام نہ دے گا، کیوں کہ مرنے والا جب مر جاتا ہے تو وہ نیک عمل کے سوا کچھ نہیں لے کر جاتا، جو اس نے اپنی زندگی میں کیا ہوتا ہے، وہی درحقیقت کام آتا ہے۔

خلاصۂ کلام: کسی بھی شخص کی زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کو اپنی زندگی کا حصہ نہ بنا لے، کیوں کہ یہی ایک کامیابی کا اصل ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝۳ (عصر)

ترجمہ: بے شک ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے سوا انسان سخت گھاٹے میں ہے۔

٭٭٭

تصوف پر علمی، تحقیقی، و دعوتی مجلہ

کتابی سلسلہ الاحسان الہ آباد (اردو)

کا پانچواں شمارہ زیر ترتیب ہے

یہ شمارہ مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہوگا۔ بادہ و ساغر، احوال، بادۂ کہنہ، تذکیر، تحقیق و تنقید، بحث و نظر، شناسائی، صوفی ادب، زاویہ (جو عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہوگا۔) پیمانہ اور مکتوبات۔

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی وقیع نگارشات ۱۰؍دسمبر ۲۰۱۳ تک دفتر الاحسان کو ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

alehsaan.yearly@gmail.com, Mobile: + 91-9026981216

ام حبیبہ

خواتین کے لیے چند رہنما اصول

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان اور اسلام کی دولت سے نواز کر خواتین کو وہ مقام عطا کیا ہے جو اِس سے پہلے انھیں نہیں ملا تھا، وہ آزادی اور وہ مقام کسی بھی معاشرے میں انھیں نہیں ملی جو اسلام نے انھیں دیا ہے۔ اسلام سے پہلے اُن کی حیثیت محض تکمیل شہوت کی ضرورت سے زیادہ نہ تھی، ان کو نہ سوچنے کی آزادی تھی اور نہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی۔ غرض کہ ذلت ورسوائی سے اُن کا دامن تار تار تھا، لیکن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی بعثت نے انھیں فرش سے عرش پر لا بٹھایا۔

اسلامی معاشرے میں ایک خاتون کو کامیاب زندگی گزارنے کے لیے جن اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے وہ مردوں کی بہ نسبت کچھ الگ ہے۔ آزادی انھیں بھی حاصل ہے مگر جس طرح کی آزادی مردوں کو ہے ویسی نہیں ہے، مثلاً: غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر جانا اور ان سے بات کرنا منع ہے، اس میں اللہ رب العزت کی بے پناہ حکمت ہے جو اُن کے حق میں مفید ہے۔ بظاہر کچھ لوگوں کو اس قانون میں سختی معلوم ہوتی ہے مگر وہ خود مشاہدہ کریں کہ دور حاضر میں اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی تہذیب کا کیا نفع اور نقصان ہے۔

بلاشبہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کا کوئی بھی قانون خلاف فطرت نہیں، بس تھوڑا سا غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ خواتین کے لیے جو دستور اللہ رب العزت نے بنایا ہے اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ چند حقوق اور ذمے داریاں ہیں جن کا ادا کرنا خواتین کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اُن میں سب سے پہلا حق اللہ رب العزت کا ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی فرماں برداری کریں، اس کی اطاعت اور بندگی کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیں۔ اُن پر جو احکام فرض کیے گئے ہیں، انھیں بجالانے میں کوتاہی نہ برتیں، اس کی ناراضگی سے بچتی رہیں، ایمان وعمل کے تقاضوں کا لحاظ رکھیں۔ اگر وہ چاہ لیں تو ان معاملات میں وہ مردوں پر سبقت بھی لے جاسکتی ہیں، اس لیے کہ اللہ کی قربت اور اس کی رضا کا دارومدار (مرد وزن کی تفریق کے بغیر) ایمان واعمال اور اخلاق واحوال پر ہے۔ اس میں نہ مرد کی تخصیص ہے نہ خاتون کی، بلکہ اس میں مرد وزن سب برابر کے شریک ہیں، ان میں جن کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، عمل جتنا اخلاص والا ہوگا، اخلاق واحوال جتنے پاکیزہ اور بلند ہوں گے اسی قدر اُن کو رب کی محبوبیت اور قربت ملے گی۔

دوسرا جو اہم حق ہے وہ عام لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ ہر خاتون سب سے پہلے کسی نہ کسی کی بیٹی ہوتی ہے، کسی کی بہن ہوتی ہے اور کسی کی بیوی بنتی ہے، اس اعتبار

سے اس پر والدین، بھائی، شوہر، اہل خانہ، رشتے داروں اور عام مسلمانوں کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں جن کی پاسداری کرنا نہایت ضروری ہے اور حیثیت و مرتبے کے اعتبار سے سب کا احترام واجب ہے۔ شادی سے پہلے وہ ماں باپ کی امانت ہوتی ہے چونکہ تعلیم وتربیت اور کفالت و پرورش کی تمام تر ذمے داری انھیں کے کاندھوں پر ہوتی ہے، اس لیے اُن کی طاعت اور خدمت ہر حال میں ضروری ہے۔ بالغ ہونے کے بعد شادی کا مسئلہ آتا ہے، اس کی ذمے داری بھی والدین کی ہوتی ہے، خاتون کی اصل زندگی کا آغاز شادی کے بعد ہی ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ شادی کے بعد اپنے سسرال جاتی ہے تو وہاں اس کا سامنا ایک ایسے ماحول سے ہوتا ہے جو اس کے لیے اجنبی ہے، لیکن بظاہر یہی اجنبی لوگ اور ماحول اس کی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہے، جس کے ساتھ اسے اپنی زندگی کا باقی حصہ بسر کرنا ہے، گویا خاتون کا گھر ہی اس کا امتحان گاہ ہوتا ہے۔

ایسے میں ہر خاتون کو وہ جامع اصول ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے جو معلم اخلاق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا کیا ہے کہ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ (صحیح بخاری)

یعنی اصل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔ (نسائی واحمد)

یعنی اصل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جو اس چیز سے رک جائے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

اور یہ ذمے داری صرف مردوں کی نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کی ہے، چاہے وہ مرد ہو یا خاتون، کیونکہ یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جس پر عمل کر کے ایک مسلمان مرد اور خاتون کسی بھی ماحول میں اپنے حسن اخلاق کی چھاپ چھوڑ سکتی ہے۔

بہر حال خواتین کے لیے اس بات کا اہتمام نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان پر زیادہ قابو رکھیں کہ خواتین زبان چلانے کے معاملے میں ویسے بھی مشہور ہیں، خاص طور سے غیبت اور چغلی جیسی بری عادتیں ان کے اندر عام ہیں، الا ما شاء اللہ۔ جہاں بھی دو خواتین جمع ہوجاتی ہیں تو ان کی زبان کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور ان کی زبان گناہ آلود ہونے لگتی ہے مگر انھیں اس کا شعور نہیں ہوتا، جب کہ یہ جان لینا چاہیے کہ غیبت سخت حرام ہے، قرآن پاک میں واضح طور پر اس کی ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضًا ﴿۱۲﴾ (حجرات)

یعنی تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

مزید غیبت کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

أَيُحِبُّ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴿۱۲﴾ (حجرات)

یعنی غیبت ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا،

اس بدترین چیز کو کوئی بھی انسان پسند نہیں کرتا۔

کچھ مائیں بہنیں ایسی بھی ہیں جو غیبت کی حقیقت اور اس کا مطلب نہیں سمجھتی ہیں وہ کسی اور چیز کو غیبت سمجھے بیٹھی ہیں، اس لیے اس کی وضاحت کر دوں کہ کسی کے عیب یا کمی جو خود اس نے دیکھی ہو اور واقعی میں وہ عیب اس کے اندر موجود ہو تو اس کو دوسروں کے پاس جا کر بیان کرنا اور پھیلانا غیبت ہے، لیکن اس کے مرشد، والدین، استاذ یا جس کی تربیت میں ہو، ان سے اصلاح اور خیر خواہی کی نیت سے بیان کرنا غیبت نہیں۔

آج کے دور میں خواتین خاص کر اپنے شریک زندگی شوہر کی عزت اور وقار کی پرواہ کیے بغیر تھوڑی سی تلخی پر غیبت اور بہتان تراشی کی تمام حدیں پار کر دیتی ہیں جس کے نتیجے میں، ان کی دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ایک حساس مسئلہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ایسے حالات آتے ہیں کہ ایک طرف شوہر کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے اور ماں باپ کی کچھ اور، تو اس وقت وہ کس کی رضا کا خیال کرے، اس لیے اس صورت میں حق اور جائز معاملے میں شوہر کی اطاعت واجب ہے ماں باپ کی نہیں۔

دوسرا اصول جو اپنی افادیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے اندر یہ صفت پیدا نہ ہو جائے کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اُسے اپنے لیے پسند ہو۔

اس تعلق سے پوری امت مسلمہ نہایت بے راہ روی کی شکار ہے اور بالخصوص خواتین کے اندر تو دوسروں کے لیے ایسا جذبہ بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے، وہ اکثر اس تاک میں لگی رہتی ہیں کہ کس طرح دوسری ہم عمر کو ذلیل کیا جائے اور اپنی پرفریب پاکیزگی و بڑائی کا ڈنکا کس طرح بجایا جائے۔

حالانکہ ان کی یہ عادت اس حدیث کے بالکل مخالف ہے کہ:

جب تم اپنی بے عزتی پسند نہیں کرتی تو اسی طرح دوسروں کی بے عزتی بھی پسند نہ کرو۔

لہٰذا جب ہماری بہنیں اپنی برائی سننا گوارا نہیں کرتیں تو انھیں نہ دوسروں کی برائی سننا چاہیے اور نہ کرنا چاہیے، اگر ان اصولوں کی پابندی کر لی جائے تو یقیناً ایک خاتون اپنی دنیا و آخرت دونوں کو سنوار سکتی ہے، اپنے گھر اور معاشرے کو خوش گوار اور پرامن بنا سکتی ہے، جب کہ اس کی خلاف ورزی انھیں کہیں کا نہ رہنے دے گی۔

●●●

شرک کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے

جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے گا اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ (سورۂ مائدہ:۷۲)

نماز با جماعت کے فضائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نسا)

ترجمہ: نماز قائم کرو، کیوں کہ نماز مومنوں پر مقررہ وقت میں فرض ہے۔

صلاۃ کا لغوی معنی

اگر صلاۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو تو اس کا معنی ہے رحمت اور فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے استغفار۔ ایک معنی یہ بھی مراد لیا جاتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف منسوب ہو تو ثنا اور مخلوق جیسے فرشتے، انسان اور جنات کی جانب منسوب ہو تو اس کا معنی ہے قیام، رکوع، سجود، دعا، استغفار اور چرند و پرند کی جانب نسبت ہو تو اس کا معنی ہے تسبیح وتہلیل۔

(لسان العرب، باب الیا، فصل الصاد)

صلاۃ کا اصطلاحی معنی

شریعت کی اصطلاح میں صلاۃ ایک عبادت ہے جو معلوم ومخصوص اقوال وافعال کا مجموعہ ہے، جس کی شروعات تکبیر سے ہوتی ہے اور تکمیل سلام سے ۔ گویا شریعت میں جب بھی صلاۃ بولا جاتا ہے تو اس سے صلاۃ مشروعہ (نماز) مراد ہوتی ہے۔

جماعت کا لغوی معنی

جماعت کا لغوی معنی ہے اشیا کی تعداد اور اس کی کثرت، یا مختلف چیزوں کا اجتماع۔

جماعت کا اصطلاحی معنی

جماعت لوگوں کی مختلف تعداد کا نام ہے اور یہ اجتماع کے معنی سے ماخوذ ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں جماعت کم سے کم دو کے ذریعے ہوتی ہے، جیسے امام اور مقتدی۔

جماعت کی اہمیت

جماعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت جنگ میں دشمن حملے کی تاک میں ہے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز با جماعت کا حکم ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ (نسا)

ترجمہ: (اے محبوب!) جب تم ان میں تشریف فرما ہو، پھر نماز میں ان کی امامت کرو، تو چاہیے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو، اس طرح کہ وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں، پھر جب وہ سجدہ کر لیں، تو پیچھے ہٹ جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی، اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اس طرح کہ اپنی حفاظت کے لیے اپنے ہتھیار لیے رہیں۔

پانچ وقتوں کی نماز با جماعت ہر ہوش مند اور تندرست پر لازم ہے، خواہ سفر میں ہو یا گھر میں۔ حضرت مالک بن حویرث

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیس رات قیام کیا، پھر جب مجھ کو اپنے اہل وعیال کے بارے میں فکر مند دیکھا تو فرمایا: ارْجِعُوْا وَكُوْنُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَصَلُّوْا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔ (بخاری، کتاب الاذان)

ترجمہ: واپس جاؤ، ان کے ساتھ رہو اور نماز قائم کرو۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان دے لے اور (علم وعمل کے اعتبار سے) تم میں کا بڑا امامت کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (معجم للطبرانی، سعید بن جبیر)

ترجمہ: جو شخص اذان سنے اور عذر شرعی نہ ہو پھر بھی مسجد نہ جائے تو اس کی نماز نہیں۔

ان دونوں احادیث کریمہ سے جماعت کی تاکید اور وجوب کا پتہ چلتا ہے۔

جماعت کی فضیلت

جماعت سے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (مسلم، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

ترجمہ: جماعت سے نماز ادا کرنا اکیلے نماز ادا کرنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

نماز باجماعت میں نمازیوں کی تعداد جس قدر زیادہ ہوگی اس کی فضیلت اسی قدر ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى۔ (سنن ابی داؤد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

ترجمہ: دو لوگوں کی نماز باجماعت تنہا نماز ادا کرنے سے افضل ہے اور تین لوگوں کی نماز باجماعت دو لوگوں کی باجماعت نماز سے افضل ہے، بلکہ جس قدر نماز باجماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اتنا ہی زیادہ محبوب عمل ہوگا۔

باجماعت نماز کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بندہ جماعت کے باعث شیطان کے حملے سے محفوظ رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ)

ترجمہ: جس گاؤں میں تین افراد ہوں اور وہاں جماعت سے نماز نہ ہو تو شیطان ان پر قابو پالیتا ہے، اس لیے تم نماز باجماعت کو لازم کرلو، کیوں کہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔

جس شخص نے تکبیر اولیٰ ترک کیے بغیر مسلسل چالیس دن تک نماز باجماعت ادا کی وہ جہنم اور ہر طرح کی منافقت سے محفوظ رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ، بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ)

ترجمہ: جس نے لگاتار چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ

نماز با جماعت ادا کی اسے دو چیزوں سے نجات حاصل ہوگی:

ایک جہنم سے اور دوسرا نفاق سے۔

جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ۔

(مسلم، باب فضل صلاۃ العشاوالصبح)

ترجمہ: جس نے صبح کی نماز ادا کی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہداشت میں ہے۔

جماعت سے نماز عشا اور نماز فجر ادا کرنے پر بندہ کو عظیم ثواب دیا جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نماز مغرب کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور تنہا بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا، تو انھوں نے مجھ سے کہا: بھائی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ۔

(مسلم، باب فضل صلاۃ العشا)

ترجمہ: جس نے نماز عشا جماعت سے ادا کی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے نماز صبح با جماعت ادا کی گویا اس نے رات بھر نماز ادا کی۔

جس نے جماعت سے نماز فجر ادا کی اور پھر سورج نکلنے تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہا تو اس کے لیے ایک حج اور ایک عمرے کے برابر ثواب ہے۔ فرمان نبوی ہے:

مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔

(سنن ترمذی، ابواب السفر)

ترجمہ: جس نے نماز فجر جماعت سے ادا کی، پھر سورج نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اس لیے فجر و عصر میں جماعت کا خاص اہتمام رکھنا چاہیے، تاکہ فرشتوں کے ساتھ نماز میں شرکت کے برکات حاصل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ۔ (مسلم، باب صلاۃ الصبح والعصر)

ترجمہ: رات اور دن کے فرشتے تمہاری نگرانی میں رہتے ہیں اور نماز فجر و عصر میں جمع ہوتے ہیں، پھر جو فرشتے تمہارے ساتھ رہتے ہیں وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں، تو رب ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ اپنے بندوں کو زیادہ جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے اُنھیں نماز کی حالت میں چھوڑا ہے اور جب ان کے پاس گئے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز کی حالت میں تھے۔

جماعت کے فوائد

ایک متعین وقت میں لوگوں کو ملنے کا موقع ملتا ہے، جیسے روزانہ پانچ وقت، ہفتہ میں ایک بار جمعہ میں، سال میں

دوبار عیدین کے موقع پر، اوران وقتوں میں ملنے کا فائدہ درج ذیل ہے:

۱۔ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے جو قبولیت کی علامت ہے۔

۲۔ ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اوراس کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے الفت ومحبت کرنے لگتے ہیں۔

۳۔ ایک دوسرے سے پہچان پیدا ہوتی ہے، جس سے کبھی کوئی قرابت دار نکل آتا ہے، پھر قرابت کے اعتبار سے صلہ کا معاملہ ہوتا ہے اور کبھی اس میں کوئی ایسا بے یارومددگار بھی ہوتا ہے جس کا حق دلانے کی لوگ کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ جماعت کی وجہ سے نماز کے عظیم نشانی ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ جماعت سے مسلمانوں کی شان وعظمت کا اظہار ہوتا ہے، نیز منافقوں اور کافروں کا فرق واضح ہوتا ہے۔

۶۔ جنھیں دین کی جانکاری نہیں ہوتی انھیں جماعت کی وجہ سے بہت سی دینی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، جیسے فجر، مغرب، عشا میں قرات سنتے ہیں اوراس سے برکت حاصل کرتے ہیں، نماز میں اذکار سنتے ہیں اور انھیں یاد کرتے ہیں، امام سے احکام نماز سیکھنے کا موقع ملتا ہے اوراس طرح جو چیز نہیں جانتے ہیں اُسے اپنے امام سے سیکھتے ہیں۔

۷۔ ضبط نفس حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اقتدا کرتے وقت نہ تو امام سے پہلے تکبیر کہہ سکتے ہیں اور نہ امام سے آگے بڑھ سکتے، نہ زیادہ تاخیر کرسکتے ہیں اور نہ امام کی موافقت کرسکتے ہیں، بلکہ اس کی متابعت ضروری ہے جو مقتدی کو ضبط نفس پر مجبور کرتی ہے۔

۸۔ مسلمانوں میں برابری کا احساس جاگتا ہے اور تفرقے کی دیوار گرتی نظر آتی ہے، کیوں کہ نماز میں سب سے مالدار، سب سے محتاج کے بازو میں کھڑا ہوتا ہے اور امیر مامور کے بازو میں، حاکم محکوم کے بازو میں، چھوٹا بڑے کے بازو میں، اس طرح لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ سب برابر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو درست کرنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ فرمایا:

اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ۔

(سنن نسائی، فی تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: صفوں کو سیدھی رکھو، اختلاف نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف کی وجہ سے تمہارے دل بدل جائیں۔

۹۔ گاؤں کے حالات معلوم ہوتے ہیں، وہ یوں کہ جب کوئی جماعت میں نہیں آتا تو اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک بیماری کی وجہ سے، دوم گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔ بیمار ہونے کی صورت میں اس کی عیادت کو جائیں گے اور گناہ میں مبتلا ہونے کی صورت میں اس کو نصیحت کریں گے کہ گناہ سے باز رہو۔ ایسا کرنے سے احسان وتقویٰ کی جانب میلان ہوگا، حق سے اس کا رشتہ مضبوط ہوگا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمے داری پوری ہوگی۔

۱۰۔ جماعت کی وجہ سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۱۔ دعوۃ الی اللہ کا خوبصورت موقع ملتا ہے۔

۱۲۔ مسلمانوں کو حفظ اوقات کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

***

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴿۵۹﴾ (نسا)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو اپنے رسول کی اور اپنے امیر کی۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ و رسول کی فرماں برداری کے بعد اولو الامر یعنی امیر کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے۔

اب جب ہم غور کرتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کس طرح کی جائے، تو اس کا طریقہ قرآن کریم ہمیں یوں بتاتا ہے کہ:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴿۸۰﴾ (نسا)

ترجمہ: جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور نبی کریم کی اطاعت حجت ہے کہ ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کیا ہے، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ، ان عبادتوں کی ادائیگی میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں۔

اب اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں اور ان کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جائیں تو ہمارا یہ عمل رسول کی اطاعت ہے اور یہی اللہ کی اطاعت بھی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود سورۂ حشر میں ارشاد فرماتا ہے:

مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

ترجمہ: رسول جو تمھیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

سورۂ نسا کی آیت میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فرمایا گیا ہے اور اولی الامر منکم سے پہلے اطیعوا کا ذکر نہیں ہے، تو اس لیے کہ اس کا عطف پہلے مذکور اطیعوا پر کیا گیا ہے تاکہ اولی الامر منکم کی اطاعت اتباعاً ہو۔

اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی مستقل اطاعت ہے اور اس کے رسول کی بھی مستقل اطاعت ہے جب کہ علما اور حکّام کی مستقل اطاعت نہیں ہے۔ ان کی اطاعت وفرماں برداری اسی وقت تک ہے جب تک کہ ان کے احکام اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہوں، ورنہ نہیں۔

مثال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر مقرر فرما دیا اور لشکر کو حکم دیا کہ امیر کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

چنانچہ امیر نے آگ جلائی اور لشکر سے اس میں داخل ہونے کے لیے کہا۔ یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا کہ ہم آگ ہی سے بھاگ کر (اسلام کی پناہ) میں آئے ہیں (پھر دوبارہ ہم اس آگ میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟)

بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ اس بات کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو جنھوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا تھا ان لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک اس آگ ہی میں رہتے۔

پھر جنھوں نے ایسا نہیں کیا ان لوگوں سے فرمایا:

لَاطَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔

(سنن ابوداؤد، باب فی الطاعۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی طاعت نہیں، بلکہ طاعت تو معروف میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے ان میں نیک حاکم بھی ہوں گے اور فاسق بھی، تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو، اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنا، اگر وہ نیک عمل کریں تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں تو تم کو کچھ نفع نہ ہوگا لیکن ان کا نقصان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمان شخص پر حاکم کی اطاعت لازم ہے خواہ وہ اس کو پسند ہو یا پسند نہ ہو۔ ہاں! اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔

(جامع البیان)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ۔ (سنن ابن ماجہ، باب طاعۃ الامام)

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی واقعی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی واقعی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اور امیر کے تعلق سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

وَمَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔ (سنن ابن ماجہ، باب طاعۃ الامام)

ترجمہ: جس نے امیر کی اطاعت کی واقعی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی واقعی اس نے میری نافرمانی کی۔

***

السعی منا والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کے تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار،
مین روڈ دھاراوی ممبئی-17
موبائل:09323861303

58 دسمبر ۲۰۱۳

آپ کے SMS

✷ محترمی ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم!

ماہ ستمبر کا شمارہ نظروں سے گزرا۔ ماشاءاللہ اس کا ہر ورق ایمان کو تازہ کرتا ہے۔ امید ہے کے آپ لوگوں کی یہ کوشش اس دور میں مسلمانوں کے لیے ایک میل کا پتھر ثابت ہوگی۔

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

سید اسرار عالم، اسکول-الاصلاح، واسع پور- دھنباد

✷ بہت اچھا ماہنامہ ہے۔ آسان اردو میں ہے، ساتھ ہی الفاظ و معانی کے دو صفحوں نے اس کو اور آسان بنا دیا ہے۔ اسٹوڈنٹ کو چاہیے کہ اسے ضرور پڑھے۔

(پروفیسر) سیما صغیر، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

✷ السلام علیکم!

نومبر کا خضر راہ فیضان بھائی کے ذریعے ملا، یہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ ہے اور تمام مضامین بہت اچھے ہیں۔

خاص کر ''ماہ محرم میں کیا کریں اور کیا نہ کریں'' اور ''دنیا دار پیروں کی بات اثر نہیں کرتی'' ان مضامین کو پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ ہمیں سچے پیروں کی تلاش کرنی چاہیے اور دنیا دار پیروں سے بہت دور رہنا چاہیے۔ خضر راہ کے مطالعے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ دنیا دار پیر کون ہوتے ہیں۔ آپ جب بھی ان کے پاس بیٹھیں گے تو وہ ہمیشہ دنیا کی بات کریں گے یا زیادہ تر دنیا کی بات کریں گے، بلکہ دین کی باتیں بھی دنیا کے لیے کرتے ہیں اور سچے پیر وہ ہوتے ہیں کہ جب ایک دنیا دار بھی ان کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ دیندار بننے کی تمنا کرنے لگتا ہے۔

ہدایت علی، شعبۂ اکنامکس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

✷ السلام علیکم!

ستمبر کا ''خضر راہ'' مجھے دستیاب ہوا۔ پہلی مرتبہ یہ رسالہ پڑھا ہے۔ ماشاءاللہ یہ رسالہ قابل تعریف ہے۔ خاص کر کے یہ ٹاپک جو مولانا ذیشان صاحب کا ہے۔

اللہ ہم سب کو ایمان پر قائم فرمائے۔

محمد رفیق رضا، شہڈول (ایم. پی)

✷ تخریبی مضامین سے پاک خضر راہ جس کے سارے ورق انتہائی پرکشش اور دیدہ زیب ہیں۔ جس سے ہر گھر کی دینی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی عالم دین موجود ہو۔

محمد آصف عالم، گریاواں، الٰہ آباد

✷ ''خضر راہ'' اکتوبر کا شمارہ فردوس نگاہ بنا۔ واقعی اس کے سارے مضامین ذیشان اور بے مثال ہوتے ہیں۔ لیکن مولانا غلام مصطفی ازہری کا مضمون ''جھوٹے راوی کے سبب حدیث کے موضوع ہونے کا مسئلہ'' نہایت معلوم افزا ہے۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اس پر گفتگو جاری رہے۔

محمد عثمان غنی، الجامعۃ الاشرفیہ، اعظم گڑھ

✷ ماہنامہ خضر راہ ہر جہت سے ایمان کی پہچان کرانے

والا ہے اور قلوب کے اندر خشیت الٰہی پیدا کرنے والا ہے۔گزارش یہ ہے کہ حدیث یا بزرگوں کا قول لکھیں تو حوالہ صفحہ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔

عبدالغفور رضوی، مدھوبنی

✷ میں قرآن پاک دور کرتا ہوں، اردو لکھنے، اردو لکھنے پڑھنے کے لیے آج تک کوئی ایسی کتاب یا رسالہ نہیں پایا جو میرے لائق ہو۔لیکن ماشاء اللہ جب میری نظر ''خضر راہ'' پر پڑی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔کیوں کہ یہ رسالہ میرے اردو لکھنے پڑھنے اور دینی باتیں سیکھنے کے لیے نہایت مفید اور معاون ومددگار ثابت ہوا۔واقعی یہ رسالہ اسم با مسمّٰی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے نظر بد سے ہمیشہ محفوظ فرمائے۔(آمین)

محمد تبارک حسین، دار پٹی، مظفر پور

✷ ''خضر راہ'' کے تمام مضامین اسم با مسمّٰی ہیں۔ہماری اصلاح کے لیے بہترین ماہنامہ نکالنے کے لیے آپ سب کو مبارک باد۔میرا مشورہ ہے کہ خانقاہوں میں ہونے والی تقریبات وتصوف سے جڑی تمام خبروں کو بھی جگہ دیں۔

معیذ ساغری، سندیلہ (یوپی)

✷ محترم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم!

میں جماعت ثالثہ کا طالب علم ہوں اور خضر راہ کا مطالعہ بصد شوق کرتا ہوں اور گھر والوں کو بھی اس کے پڑھنے پر ابھارتا ہوں۔

خضر راہ سیاہ دلوں کے خلاف جہاد کا کام انجام دے رہا ہے۔نومبر کے شمارے میں 'گوشۂ خواتین' اور 'بچوں کی دنیا' بہت پسند آیا۔'بچوں کی دنیا' والے کالم میں کم از کم دس اقوال زریں ضرور شامل کریں، آپ کا یہ احسان فراموش نہیں کیا جائے گا۔

محمد حماد، رضا نگر، گرداہاں خورد مانجھی، چھپرہ (بہار)

✷ ماہنامہ ''خضر راہ'' اکتوبر ۲۰۱۳ کا ٹائٹل پیج جتنا معنی خیز ہے اس سے کہیں زیادہ پر کشش اندرونی مضامین ہیں۔

خاص کر حضور داعی اسلام دام ظلہ کی ''عرفانی مجلس'' روح المضامین کا درجہ رکھتی ہے، جو مردہ دلوں کو زندگی عطا کرنے والی ہے۔''عرفانی مجلس'' کا یہ سلسلہ جاری رکھیں، بلکہ ان تمام ملفوظات کو دستاویزی صورت میں محفوظ فرمادیں، تاکہ قیامت تک لوگ ان کے ذریعے اپنے باطن کی تطہیر کرتے رہیں۔

اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی بڑی اہمیتوں کی حامل ہیں جن سے ہر طالب علم کو رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

امان اللہ محمدی، دار پٹی، مرون، مظفر پور (بہار)

✷ السلام علیکم!

'خضر راہ' ابتدا ہی سے پڑھتا آرہا ہوں، بہت ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔جب رسالہ کو پڑھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ سید سراواں میں ہی تعلیم حاصل کر رہا ہوں اور اسی رسالے کے مطالعے سے جمعہ مبارکہ میں تقریر بھی کرتا ہوں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس روحانی رسالے کو پڑھ کر ہر شخص اپنی اپنی سوچ وفکر کو بدل کر نیا انقلاب پیدا کرے جو اللہ ورسول کو پسند ہو۔(آمین)

محمد صدام حسین، بھکر نباڑی گانگی ہاٹ، کشن گنج (بہار)

آپ ہمیں اپنے sms سیل فون کے ذریعے بھیجیں:
Mobile: 9312922953, 9910865854

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ارتقاپذیر	ترقی میں ہونا	تریاق	جلدی اثر کرنے والی دوا
اذن	اجازت	تخلیق	پیدائش
ازل وابد	ہمیشہ سے ہمیشہ تک	تضاد	اختلاف
اسانید صحیحہ وضعیفہ	حدیث کی صحیح اور ضعیف سندیں	ثقہ سند	حدیث کی ایک اصطلاح، بھروسے کے لائق سند
استحباب	مستحب ہونا	جامع اصول	ایسا نظام جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرے
اقربیت	انتہائی نزدیکی	جسارت	ہمت، جرأت
ائمہ اعلام	بلند رتبہ علما	حدود	حد کی جمع، دائرے
بطلان	باطل، جھوٹ، بیکار	حسن ظن	اچھا گمان
بے بصیرت	ناسمجھ، بے عقل	خلط مبحث	کئی باتوں کو ملا دینا، ادھر ادھر کی بحث
بیک جنبش قلم	قلم ہلتے ہی، فوراً، بے سوچے سمجھے	خندہ پیشانی	ہنستا ہوا چہرہ
بنظر عمیق	گہری نظر سے، خوب غور سے	خرقہ	بزرگوں کی طرف سے ملنے لباس
ترہیب وترغیب	ڈرانا اور شوق دلانا، رغبت دلانا	داعی	دین کی جانب بلانے والا
تحت الثریٰ	زمین کا سب سے نچلا حصہ، پاتال	درد وسوز	درد اور تپش
تبین	تفتیش	دقت نظری	غور، باریکی
تعبیرات	بیان کے طریقے، اشارتاً سمجھانا	راسخین	پختہ علم والے
تلون	رنگ بدلنا	زحمت	تکلیف
توثیق	قابل اعتماد بتانا، تصدیق کرنا	سوز عشق	عشق کی جلن
تدوین	ترتیب ونظم	شہوات	شیطانی خواہشات
تگ ودو	کوشش	صریح	صاف، واضح
تلافی	بھرپائی	ضبط نفس	نفس قابو میں رکھنا، خود کو روکنا

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نزول	نازل ہونا	معتوب	جس کو سزا دیا گیا ہو، مجرم
عزیمت	آسان شرعی حکم کے بالمقابل سخت حکم	مضمر	پوشیدہ، چھپا ہوا
عزم مصمم	پختہ ارادہ	معلم اخلاق	اخلاق سکھانے والا
عقد	تعلق، رشتہ، نکاح	مراجعت	لوٹنا، لوٹانا
عرش بریں	آسمان کا بلند حصہ	مذکر	ذکر میں مشغول کرنے والا
غلو	کسی چیز کو حد سے بڑھانا	مزاحم	بھڑنا، ٹکرانا
غیبی تائید	اللہ کی حمایت اور مدد	مدلول	جس کی جانب رہنمائی ہو
فلکیات، فلکیاتی	آسمان، آسمانی	معلل	جس حدیث میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو
قباپوش	ایک خاص قسم کا لباس پہننے والا	منشا	مرضی
قیل وقال	حجت کرنا، جیسے کیوں، کیسے وغیرہ	متعصبین	نفرت رکھنے والے
کج بحثی	الٹی سیدھی بحث	مطلع	باخبر
کنایہ	اشارہ	محویت	گم ہونا، خود سے بیگانہ ہونا
کذاب	جھوٹی حدیث بیان کرنے والا، جھوٹا	محکم	مضبوط، پکا
کوئے مغاں	مرشد کی گلی	مدعو	جس کو دین کی جانب بلایا جائے
لواحق	لاحق کی جمع، متعلقات	مقیم	ٹھہرنے والا، قیام کرنے والا
مبتدی	کسی فن کے ابتدائی لوگ	مصحف ناطق	بولتا قرآن، مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم
متقدمین	اگلے زمانے کے علما	نفس الامر	حقیقت، موجود
متاخرین	پچھلے زمانے کے علما	نفس شکنی	خواہش کو مارنا
متحرک	حرکت دینے والا، ابھارنے والا	وضاع	حدیث گڑھنے والا
محتسب	حساب لینے والا	ہنوز	اب، اس وقت
معبود حقیقی	مراد اللہ تعالیٰ		

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آباد واطراف

ابومیانز شاہی اسٹور، (نرالا سویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055

محمد قیس خان، ممتاز العلوم، نمئی، کوشامبی۔9936890704

محمد زبیر عالم، گریاواں، منصور آباد، الہ آباد-9795252994

غوثیہ پبلیشر، مرزا غالب روڈ، الہ آباد۔9580484231

محمدیہ بل ڈپو، اسٹیشن روڈ، کھاگا، فتحپور۔9936958324

رضوی بکڈپو، مرزا غالب روڈ، یوپی-8808646082

فیاض الحسن بل سیلر، نئی سڑک، کانپور، 9936805213

عمران احمد، بابو پوروا، کانپور، 9839101833

منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، پیپر مارکیٹ، کانپور۔8960539848

قادری بکڈپو، اسلامیہ ماکیٹ، نومحلہ مسجد، بریلی۔8237066786

حافظ محمد ظہیر، شکار پور روڈ، بلندشہر۔9058220141

حافظ سیف احمد، فہیم آباد، کانپور۔9670731895

محمد ثاقب، بھکندہ، کٹیا، کوشامبی۔7668156533

حافظ ہارون، قلی والی مسجد، نورنگ آباد چوراہا، اٹاوا۔741784256

ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، دھاراوی، ممبئی-9819291874

شاہ صفی کلینک، مین روڈ قاضی پورہ، نصیر آباد، جلگاؤں، 8237657072

شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066

محمد ابراہیم، منگل گیری، شولاپور، مہاراشٹر-9421067863

گلشن میڈیکیئر، سکندرآباد، حیدرآباد-27716760

محمد عارف دانش رضوی، زیتون پورہ، بھیونڈی.9823683348

خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

محمد ہاشم، دارالعلوم فیض صدیقیہ، سوجا شریف، باڑمیر، راجستھان

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263

مولانا عبدالرحمن، بیلگام، کرناٹک-8147449067

غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623

قریشی نیوز ایجنسی، رجک سنیما روڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458

حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382

روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بل ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854

راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739

مولانا شفیق الحق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786

الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740

شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854

جمال بل ڈپو، بیسمنٹ رحمان کمپلکس، بٹلہ ہاؤس، دہلی۔9990486231

گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹینڈ، مہرولی، دہلی۔9250225954

حاجی حبیب اللہ، نیوسیما پوری، نئی دہلی۔9818225177

جہانگیر محسن بل ڈپو، جامع مسجد روڈ، آگرہ۔7500127143

حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ، 7417842567

کولکاتا واطراف

شوکت علی بل اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا-9330643486

خانقاہ نعمتی، مٹیا برج، کولکاتا-09831746380

مدرسہ سلیمیہ، فیض الاسلام، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851

الیاس بل سینٹر، کولوٹولہ اسٹریٹ، کولکاتا-9748424047

نوری بل ڈپو، پاچھورسیا، گنجریا بازار، اتردیناجپور۔09734035478

بہار واطراف

دارالعلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786

امدادیہ بل ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993

دلکش بل ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353

اقبال بل ڈپو، مدرسہ ماکیٹ، اورنگ آباد، 9122471549

مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625

انصار بل ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579

مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیرگھاٹی، گیا-9939479919

رضا بل سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679

مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097

عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 9312922953

سالانہ ممبرشپ فارم

Annual Subscription Form

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Mob: 9312922953, 08382923993, E-mail: khizrerah@gmail.com

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Form No. 1

Name:..

Village:..

City.........................State........................... Pin Code.................

Tel. No:......................................E-mail:.......................................

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900

Form No. 2

Name:..

Village:..

City.........................State...........................PinCode:.................

Tel. No:......................................E-mail:.......................................

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900